اسلام کی نظر میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی اہمیت

اسلام اور سائنس:　　مولانا محمد شہابُ الدین ندوی　　آخری قسط

جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ لاہور

خلافتِ ارض اور اُمّتِ مُسلمہ:

اُٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے　　(اقبال)

قرآنی نقطۂ نظر سے اسلامی خلافت کس طرح قائم ہو سکتی ہے؟

اس عالمِ آب وخاک میں آغازِ حیات ہی سے پروردگارِ عالم کا یہ دستور العمل رہا ہے کہ وہ مختلف قوموں کو کارِ خلافت کے لئے منتخب کر کے انہیں مشروط طور پر خلافتِ ارض کی ذمہ داریاں سونپتا ہے۔ اور انہیں اس سلسلے میں واضح ہدایات دی جاتی ہیں اور ان کے لئے ایک ضابطۂ عمل تجویز کیا جاتا ہے جس کی بنا پر وہ زمین کی سلطنت کے وارث اور امین بن کر اپنی قومی وملّی فرائض بخوبی انجام دے سکیں اور تمدنی حیثیت سے پھل اور پھول سکیں۔ مگر جب وہ اپنے قومی فرائض کی ادائیگی میں ناکام ہو جائیں اور احکامِ الٰہی کی عدول حکمی کرتے ہوئے ظالم اور ناحق کوش بن جائیں تو پھر ایسی قوموں کا تختہ اُلٹ دیا جاتا ہے اور دنیا کے اسٹیج پر دوسری قوموں کو لایا جاتا ہے۔ اگر اقوامِ عالم کے عروج وزوال کے اسباب وعلل کا جائزہ لیا جائے تو ان سب میں بنیادی عوامل یہی نظر آتے ہیں کہ اس دُنیا میں عروج ہمیشہ اُسی قوم کو حاصل رہا ہے جو خُدائی اُصولوں یا عدل وانصاف کے ضوابط پر عامل رہے اور اس کے ساتھ محنتی اور جفاکش بھی ہو۔ مگر اس کے برعکس جو قوم ظالم وناحق کوش بن جائے اور بجائے جفاکشی کے عیاشی کا راستہ اختیار کرتے ہوئے انسانی قدروں کو پامال کرنا شروع کر دے تو وہ صفحۂ ہستی سے میٹ دی جاتی ہے۔ چنانچہ قرآنِ حکیم میں قوموں کے عروج وزوال کے اس خُدائی فلسفے کی تشریح اس طرح کی گئی ہے:

" ولقد اَھلکنا ...... "

اور ہم نے تم سے پہلے بہت سی قوموں کو اُن کے ظلم کی پاداش میں ہلاک کر دیا، جب کہ ان کے پاس ان کے رسول واضح خُدائی دلائل لے کر آ چکے تھے۔ مگر وہ ان پر ایمان لانے کے موڈ میں نہیں تھے۔ مجرم لوگوں کو ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں۔ پھر اُن کے بعد ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا تا کہ ہم دیکھیں کہ تم کس طرح عمل کرتے ہو! (یونس: ۱۳-۱۴)۔

خلاصہ یہ کہ خُدائی فیصلے اور دستور کے مطابق ازل سے یہی ضابطہ چلا آ رہا ہے کہ زمینی خلافت کے میدان میں ہر قوم کو چند

شرائط کے ساتھ منصبِ خلافت پر فائز کیا جاتا ہے۔ پھر جو قوم یا ملّت اس منصب کی ذمہ داریوں اور اُس کے تقاضوں کے مُطابق عمل کرتی رہتی ہے وہ اس دنیا میں پھلتی اور پھولتی ہے۔ مگر جو قوم یا ملّت اپنی ذمہ داریوں سے غافل ہو کر خُدائی ضوابط کو پامال کرنے لگ جاتی ہے تو اس سے منصب امامت چھین لیا جاتا ہے اور پھر اُسے یا تو چلتا کردیا جاتا ہے یا پھر دوسروں کی غلام یا حاشیہ بردار بنا دیا جاتا ہے۔ ازل سے اللہ تعالیٰ کی یہی سُنّت جاری ہے جس میں کسی قسم کا استثناء نہیں ہے۔ اور علامہ اقبال نے اس حقیقت پر ایک دوسرے انداز میں اس طرح روشنی ڈالی ہے جو پورے فلسفہ تاریخ کا نچوڑ ہے۔

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ اُمم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل طاؤس و رباب آخر

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب برحق میں اہلِ اسلام سے تاکیدی طور پر وعدہ فرمایا ہے کہ وہ انہیں ضرور بالضرور خلیفہ بنائے گا۔ یعنی جس طرح دیگر اقوام کو پہلے منصبِ خلافت پر فائز کیا تھا اسی طرح انہیں بھی اس منصبِ عظیم پر ضرور فائز کرے گا۔ مگر اس کے لئے وہ دو شرطیں عائد کرتا ہے جیسا کہ فرمانِ خُداوندی ہے:

" وعد الله الذين ...... " .

جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ انہیں زمین میں ضرور خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلے والوں کو بنایا تھا اور اُن کے دین کو...... جسے اُس نے اُن کے لئے پسند کرلیا ہے...... مضبوطی کے ساتھ جما دے گا۔ اور اُن کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔ (شرط یہ ہے کہ) وہ میری عبادت کرتے رہیں (اس طرح کہ) کسی کو میرا شریک نہ بنائیں۔ اس واضح حکم کے بعد جو سرتابی کریں گے تو وہ بدکردار ہوں گے۔ (نور:۵۵) ۔

اس عظیم آیت میں اللہ نے اہلِ اسلام سے تین چیزوں کا وعدہ کیا ہے جو یہ ہیں:

(۱)......ان کو زمین کی خلافت سونپی جائے گی۔

(۲)......ان کے دین کو مضبوط و مستحکم کیا جائے گا۔

(۳)......ان کے ماحول سے خوف و دہشت کی فضا کو دُور کر کے امن و سلامتی عطا کی جائے گی۔ مگر ان مقاصد کے حصول کے لئے دو شرطیں رکھی گئی ہیں جو یہ ہیں:

(۱)......مسلمان اللہ کی عبادت کرتے رہیں۔

(۲)......اس کی خُدائی میں کسی کو شریک نہ کریں۔

مگر اس موقع پر ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مُسلمانوں سے خُدا کی عبادت کرتے رہنے اور اس کی خُدائی میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرنے کا آخر مطلب کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ مسلمان ہمیشہ صرف ایک ہی خُدا کو مانتے ہیں اور پانچ وقت کی نماز بھی

پڑھتے ہیں! تو صورتِ حال یہ ہے کہ آج مسلمان اپنی زبان سے تو اللہ کو وحدہٗ لاشریک ضرور کہتے ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ ان کی ایک قابلِ لحاظ تعداد مسجدوں میں برابر حاضری بھی دیتی ہے۔ مگر اس کے باوجود واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی عملی زندگی سے خُدا کی ''عبادت'' اور اُس کی ''خُدائی'' میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرنے کا صحیح تصور ہی غائب ہوگیا ہے۔ بلکہ وہ صرف زبان سے خُدا کی بڑائی کا دعویٰ کرتے ہیں اور عملاً مختلف مادی افکار و نظریات اور مادّی فلسفوں کے داعی و علمبردار دکھائی دیتے ہیں۔ چنانچہ ان کے ذہنی وفکری احوال وکوائف کا جائزہ لیجئے تو صاف نظر آئے گا کہ کوئی کمیونزم کا داعی ہے تو کوئی سوشلزم کا۔ کوئی مغربی قانون ومعاشرت کا دلدادہ ہے تو کوئی ڈارونزم پر ایمان رکھتا ہے،

" وقس علی ذلک "

اس طرح آج کا مُسلمان ایک طرف اپنے مُسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو دوسری طرف ذہنی فکری اور تہذیبی ومعاشرتی اعتبار سے غیر اللہ کی بھی ''عبادت'' کرتا نظر آرہا ہے۔ گویا اُس نے خُدا کے علاوہ بھی بہت سے ''معبود'' بنا رکھے ہیں۔ اس طرح وہ ایک واضح فکری وعملی تضاد میں مبتلا ہے۔ اور جب تک یہ تضاد دُور نہیں ہوگا خُدا کا وعدہ پورا نہیں ہوسکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ آج اُمتِ مُسلمہ ایک خُدا کی قائل ہونے کے باوجود واضح طور پر بدعملی اور طرح طرح کے جاہلی رسوم اور خرافات میں کھوئی ہُوئی ہے۔ اور دُنیا کی ساری بُرائیاں آج مُسلم قوم میں دکھائی دیتی ہیں۔ بلکہ بعض سماجی بُرائیوں میں ان کا نمبر دوسری قوموں سے بڑھا ہُوا نظر آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب صورتِ حال یہ ہو تو ان پر اللہ کی رحمت کیسے نازل ہوسکتی ہے اور وہ زمین کی خلافت کے مُستحق کس طرح بن سکتے ہیں؟

آج دُنیا میں مسلمانوں کی تعداد لگ بھگ ایک ارب ہے اور دُنیا کے نقشے پر پچاس کے قریب آزاد مُسلم حکومتیں وجود میں آچکی ہیں۔ مگر اس کے باوجود انہیں ''خلافتِ ارض'' حاصل نہیں ہے، کیونکہ خلافتِ ارض اصلاً ''دین کی مضبوطی'' اور اسلامی معاشرے سے ''ازالۂ خوف'' کا نام ہے، جس کا وعدہ آیتِ بالا میں کیا گیا ہے۔ اور یہی دو چیزیں ہیں جن کی آج مسلمانانِ عالم کو شدید ضرورت ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں اُنہیں صرف اسی وقت حاصل ہوسکتی ہیں جب کہ وہ خُدائی شرائط کے مُطابق صحیح معنی میں صرف ایک خُدا کی عبادت کرنا سیکھیں اور اُس کی خُدائی میں دوسروں کو ''معبود'' بنانا ترک کردیں۔ یعنی مسجدوں میں اللہ سے جس بات کا عہد کرتے ہیں اُسے عملی زندگی میں بھی برتنا شروع کریں۔ غرض پروردگارِ عالم کا مطالبہ ہے کہ مسلمان خُدائی نظام کے مقابلے میں باطل نظاموں کی پیروی ترک کردیں اور فکری، تہذیبی اور معاشرتی اعتبار سے اسلامی ضابطۂ حیات کی مکمل پیروی کرتے ہوئے ''کامل مسلمان'' بن جائیں، ورنہ خلافتِ ارض انہیں کبھی حاصل نہیں ہوسکتی، چاہے دُنیا کے نقشے پر پچاس کے بجائے پانچ سو ''مُسلم'' حکومتیں وجود میں آجائیں۔ یہ خُدائی کلمات پتھر کی لکیر کی طرح اٹل ہیں جن میں کبھی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ دنیا میں مسلمان جب تک اس خُدائی فرمان کے مطابق عمل کرتے رہے وہ دنیا میں سیاہ وسفید کے مالک رہے۔ مگر جیسے ہی اُنہوں نے اس ضابطہ کو ترک کرکے دُنیاداری، عیاشی اور قانونِ خُداوندی کی پامالی کا راستہ اختیار کیا انہیں اس اعلیٰ منصب سے معزول کردیا گیا۔ اب اگر انہیں اپنا کھویا ہُوا وقار دوبارہ حاصل کرنا ہے تو

پھر انہیں پیامِ الٰہی پر کان دھرنا پڑے گا۔ علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا ہے :

کی محمدؐ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

ملک وملّت کا دفاع اسلام کی نظر میں:

اسلام ایک امن پسند مذہب اور بدامنی وفتنہ وفساد کا سخت دشمن ہے۔ وہ اپنی تمام تعلیمات ومعتقدات کو عالمِ انسانی کے سامنے معقول طریقے سے اور دلیل واستدلال کی شکل میں پیش کرتا ہے۔

وہ اپنے نظریات واعتقادات دیگر اقوام پر زبردستی مسلط نہیں کرتا۔ اور اس سلسلے میں وہ کسی بھی قسم کے جبر واکراہ کا روادار نہیں ہے۔

" لا اکراہ فی الدین "

دین میں کسی قسم کی زبردستی نہیں ہے۔ (بقرہ : ۲۵۶)۔

اسی وجہ سے وہ اپنی تعلیمات کو معقول انداز میں پیش کرتے ہوئے جگہ جگہ عقل ودانش سے کام لینے پر زور دیتا ہے۔ اور اس اعتبار سے اسلام ایک عقلیت پسند مذہب ہے۔ چنانچہ جس طرح اُس نے مظاہرِ عالم اور اُن کے حیرت انگیز نظاموں میں غور وخوض کر کے ایک برتر ھستی کے وجود کا پتہ لگانے کی دعوت دی ہے، بالکل اسی طرح دین وشریعت کے معاملے میں بھی خُدائی احکام کی حکمتوں اور مصلحتوں کو سمجھنے اور باپ دادا تقلید میں غلط اور غیر معقول چیزوں پر اصرار کرنے کے بجائے معقول طرزِ فکر اپنانے کی دعوت دی ہے اور اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ اسلام معقول طریقے پر ایک بین المذاہب مذاکرہ ومباحثہ کا قائل ہے۔ اور اس سلسلے میں وہ دعوت دیتا ہے کہ مختلف مذاہب کے لوگ تقلیدِ جامد کے جھمیلوں سے آزاد ہوکر اپنے اپنے مذاہب کی معقولیت کے بارے میں سنجیدگی سے غور کریں اور جو اُمور غیر معقول ہوں انہیں ترک کر کے معقول چیزوں کا اپنائیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل ودانش سے اسی لئے نواز ہے تا کہ وہ اس سے بھرپور فائدہ اُٹھائیں۔

مگر جو لوگ یا جو مذاہب یا جو قومیں اس معقول طریقے کو اپنانے اور پُر امن طور پر اپنے اپنے اُصولوں کا پرچار کرنے کے بجائے سختی وشدت یا جبر واکراہ کا راستہ اپنانے لگ جائیں تو اسلام اس کی نہ صرف سخت مذمت کرتا ہے بلکہ فتنہ وفساد کو روکنے کے لئے ایسے موقعوں پر بزورِ طاقت امن قائم کرنے پر زور دیتا ہے۔ کیونکہ فتنہ وفساد کے موقعوں پر خاموشی سے نہ صرف بندگانِ خُدا کو نقصان پہنچتا ہے بلکہ اس سے عبادت گاہوں اور قومی وملی یادگاروں کو ضرر لاحق ہوتا ہے۔

اس اعتبار سے اسلام سراسر ایک علمی وعقلی مذہب ہے جو ہمیشہ دلیل واستدلال اور حُجت وبُرہان کو مقدم رکھتا ہے۔ اور ہتھیار اُٹھانے کی اجازت صرف اُسی وقت دیتا ہے جب کہ اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہ رہ جائے۔ اور اسی حد تک دیتا ہے جس حد تک کہ

فتنہ وفساد دب جائے اور کم سے کم خونریزی عمل میں آئے۔ یعنی انسانی معاشرے میں جو فاسد مواد داخل ہوگیا ہو وہ خارج ہو جائے اور جو چیز انسانیت کا ناسور بن چکی ہو وہ کاٹ کر پھینک دی جائے، تا کہ معاشرے کا سُدھار عمل میں آسکے۔

اس بنیادی اقدام کے بغیر دنیا میں امن وامان قائم نہیں ہوسکتا اور اللہ کے بندوں کو چین وسکون حاصل نہیں ہوسکتا۔ قرآن حکیم نے فلسفۂ اجتماعیات کے اس اہم اور بنیادی اُصول پر روشنی اپنے مخصوص انداز میں اس طرح ڈالی ہے:

" ولو لا دفعُ الله الناس بعضهم ببعضٍ لهُد مت صوامع وبيعٌ وصلوتٌ ومسجد يذكر فيها اسم اللهِ كثيراً ولينصُرن اللهُ من ينصره ان اللهِ لقوى عزيزٌ "

اور اگر اللہ (اقوامِ عالم میں اپنی مصلحتوں کی بنا پر) ایک دوسرے کی مدافعت نہ کرتا تو خانقاہیں، مدرسے، عبادت خانے اور مسجدیں، جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے، سب ڈھادیئے گئے ہوتے، اور اللہ ضرور اُن کی مدد کرے گا جو اُس کی مدد کریں۔ کیونکہ اللہ طاقتور اور زبردست ہے۔ (حج:٤٠)۔

غرض اسلام عقلی ونظریاتی اور پُرامن تبلیغ کا قائل ہے۔ اور دُنیا کے دیگر متشدّدانہ فلسفوں (مثلاً کیمونزم یا موجودہ دور کی جارحانہ فرقہ پرستی جو قومی، صوبائی اور لسانی عصبیتوں کی شکل میں غیر اقوام اور خصوصاً اقلیتوں کا جنیا حرام کئے ہُوئے ہے) کی طرح وہ زبردستی اپنے نظریات کو تھوپنے اور بے جا قتل وغارتگری کا قائل نہیں ہے۔ اور جنگ کی اجازت صرف اسی صورت میں دیتا ہے جب کہ اُس کی تہذیب وتمدن کو خطرہ لاحق ہو یا امنِ عالم کے درہم برہم ہوجانے کا اندیشہ ہو۔ اس اعتبار سے آج رُوئے زمین پر اسلام ہی وہ مذہب ہے جو "پُر امن بقائے باہم" کا قولاً وفعلاً ہر اعتبار سے قائل ہے۔

مگر اس کے باوجود یہ بھی ایک حیرت انگیز حقیقت ہے کہ اسلام باوجود ایک پُرامن مذہب ہونے کے تاریخی اعتبار سے ہر دور میں سب سے زیادہ ظلم وستم کا نشانہ وہی بنا ہے۔ اور ہمیشہ مختلف مذاہب واقوام کی طرف سے اُس پر یورش کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ ابدی میں اہلِ اسلام کو ہمیشہ اپنے دشمنوں سے چوکس وچوکنا رہنے کا نہ صرف پیشگی انتباہ دیا ہے بلکہ عالمی سیاست کے مطابق ہر دور میں عصری ہتھیاروں سے اپنے آپ کو مسلّح رکھنے کی بھی تلقین کی ہے:

" واعدوا لهم ما استطعتم من قوةٍ ومن رباط الخيل تر هبون به عدوالله وعدوكم واخرين من دونهم لا تعلمو نهم الله يعلمهم وما تنفقوا من شيءٍ في سبيل الله يوف اليكم وانتم لا تظلمون "

اور تم اُن کے مقابلے کے لئے جتنی (مادّی) قوت اور گھوڑے تیار کرسکتے ہو (ضرور) کرو۔ جس کے ذریعہ تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں پر دھاک بٹھا سکو۔ اور اُن قوموں پر بھی جن کو تم (اِس وقت) نہیں جانتے، اللہ ان کو جانتا ہے (جن سے تمہارا سابقہ مستقبل میں پڑنے والا ہے) اور اللہ کی راہ میں (سامانِ جنگ کی تیاری پر) جو کچھ تم خرچ کروگے (اس کا بدلہ) تم کو پورا پورا ملے گا اور تمہارا حق مارا نہ جائے گا۔ (انفال:٦٠)۔

قرآن حکیم میں ہر دور کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ چنانچہ اس آیتِ کریمہ میں گھوڑوں کا لفظ دورِ قدیم کی رعایت سے لایا گیا ہے اور موجودہ دور کی رعایت سے ''قوت'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے مراد ہر قسم کی قوت اور جدید سے جدید تر سامانِ جنگ ہوسکتا ہے، جس میں بندوق، مشین گن، ٹینک، ہوائی جہاز، راکٹ اور میزائل وغیرہ سبھی شامل ہوسکتے ہیں۔ اسی طرح " عدواللہ وعدوکم " سے مُراد دورِ رسالت کے دُشمنانِ اسلام ہیں۔ اور " واخرین من دُونھم " سے مُراد زمانۂ مستقبل کی قومیں ہیں۔ ''ترھبون بہ عدواللہ'' (تاکہ تم اللہ کے دُشمنوں پر اپنی دھاک بٹھا سکو) یہ مقصدِ عسکریت، فلسفۂ جنگ، خلافتِ ارض کی غرض اور امنِ عالم کی بنیادی اینٹ ہے۔ یعنی محض اس رعب و دبدبے ہی کی بدولت تمہیں امن و امان اور چین و سکون حاصل ہوسکتا ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ کمزوری کے باعث ہر قوم اور ہر ملک دبانے اور حق مارنے لگ جائے گا۔ کیونکہ عسکری اعتبار سے قوموں کی کمزوری اُن کی موت کے برابر ہوتی ہے۔

یہ آیتِ کریمہ دُنیائے اسلام کو صاف طور پر مُتنبّہ کر رہی ہے کہ اہلِ اسلام اپنے دُشمنوں سے ہمیشہ چوکنا و ہوشیار رہیں، بلکہ حالتِ جنگ میں رہیں۔ ورنہ غفلت و بے خبری کی صورت میں وہ اچانک حملوں کا توڑ اور صحیح دفاع نہیں کرسکیں گے۔ جیسا کہ ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ شاہد ہے کہ اسرائیل نے اچانک حملہ کرکے پہلے ہی ہلّے میں مصر کی پوری فضائی طاقت کا صفایا کرکے اُس کی کمر توڑ کے رکھ دی تھی۔ اور اس جنگ میں مصر کو ایسی شرمناک شکست ہوئی کہ وہ کسی کو مُنہ دکھانے کے قابل ہی نہیں رہ گیا تھا۔

بہر حال آج ملک و ملّت کے دفاع کے لئے جدید سے جدید تر ہتھیاروں کی تیاری کی ضرورت ہے۔ اور یہ مقصد موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق سائنس اور ٹکنالوجی میں کمال حاصل کئے بغیر ممکن نہیں ہوسکتا۔

قوموں کے عُروج و زوال میں لوہے کا رول اور اُس کی اہمیت ملّتِ اسلامیہ کی سربلندی محض آرزوؤں کے سہارے برپا نہیں ہوسکتی:

اللہ تعالیٰ نے اس دُنیا کو اسباب و علل کی آماجگاہ بنادیا ہے۔ لہٰذا اس دُنیا اور اُس کے واقعات میں اسباب و علل سے صرفِ نظر کرنا ممکن نہیں ہے۔ مگر ہاں اُصولی اعتبار سے اسباب و علل پر تکیہ کرکے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے صرفِ نظر کرلینا بھی صحیح نہیں ہے۔ بلکہ ان دونوں اُمور میں جہاں تک ہوسکے توازن قائم رکھنا چاہئے۔ یہی اسلام کی صحیح اور متوازن تعلیم ہے۔ یعنی جہاں تک ممکن ہوسکے اسباب و علل کی فراہمی میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرنی چاہئے۔ پھر اس کے بعد نتیجہ اللہ کے حوالے کردینا چاہئے۔ چنانچہ حسبِ ذیل آیتِ کریمہ میں اس حقیقت کو پوری طرح بے نقاب کردیا گیا ہے جو فرمانِ الٰہی ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے دلیلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اس آیتِ کریمہ کے مطابق ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اپنے دُشمنوں سے نبرد آراء ہونے کی راہ میں ہر قسم کے مادّی وسائل کو اکٹھا کریں اور اس باب میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں:

" واعدوالھم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخیل ترھبون به عدو اللہ وعدوکم " .

اور تم اُن کے (مقابلے کے) لئے جتنی (مادّی) قوت اور گھوڑے تیار کرسکتے ہیں (ضرور) کرو، جس کے ذریعہ تم اللہ کے

اور اپنے دشمنوں پر دھاک بٹھا سکو۔ (انفال : ۶۰) .

نیز اسی طرح ایک دوسری عظیم الشان آیتِ کریمہ میں غور فرمائیے جس میں پوری وضاحت کے ساتھ یہ حقیقت بیان کر دی گئی ہے کہ اُمتِ مسلمہ جب تک لوہے کا صحیح صحیح استعمال سیکھ نہ لے، یا دوسرے لفظوں میں جت تک وہ سائنس اور ٹکنالوجی میں دسترس حاصل نہ کرلے (کیونکہ آج لوہے کا صحیح استعمال سائنس اور ٹکنالوجی میں کمال حاصل کئے بغیر ممکن نہیں ہے) اُس وقت تک اُس کا ''خلیفہ'' یا زمین کا صحیح جانشین ہونا ممکن نہیں ہے:

" لقد ارسلنا رسلنا بالبینٰت وانزلنا معهم الکتب ولمیزان لیقوم الناس بالقسط وانزلنا الحدید فیه باس شدید ومنافع للناس ولیعلم الله من ینصره ورسله بالغیب ان الله قوی عزیز " .

بلاشبہ ہم نے اپنے رسولوں کو روشن دلائل کے ساتھ بھیجا ہے۔ اور اُن کے ساتھ کتاب اور میزان اُتاردی ہے، تاکہ لوگ عدل ودُرستی پر قائم ہو جائیں۔ اور ہم نے لوہے کو اتارا ہے جس میں سخت ہیبت ہے اور اس میں لوگوں کے لئے (بہت سے تمدّنی) فوائد بھی ہیں۔ (تو لوہے کو اتارنے کا مقصد یہ بھی ہے) کہ اللہ جان لے کہ کون اس کی اور اُس کے رسولوں کی پیٹھ پیچھے نصرت کرتا ہے۔ یقیناً اللہ قوی اور زبردست ہے۔ (حدید : ۲۵) .

اس آیتِ کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کا ہمیشہ سے یہ دستور رہا ہے کہ وہ اپنے رسولوں کے ذریعہ دینِ برحق کی نصرت وتائید کے لئے کُھلے کُھلے دلائل وبراہین بھی لوگوں کے پاس بھیجتا ہے، جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ نوعِ انسانی کی اصلاح اور درستی عمل میں آئے۔ اور اس سلسلے میں لوہے کے نزول کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ اس سے دراصل دینِ برحق کی حمایت اور اس کا دفاع مقصود ہے۔ بالفاظِ دیگر اس میں دینِ برحق کے پیروؤں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ دین کی نُصرت وحمایت اور اُس کے دفاع کے لئے لوہے کا استعمال کریں، خواہ وہ تلوار اور نیزے کی شکل میں ہو یا توپ اور مشین گن کی شکل میں۔ ٹینک کی شکل میں ہو یا راکٹ اور میزائیل کی شکل میں۔ اس اعتبار سے اہلِ اسلام جب تک لوہے کا صحیح صحیح استعمال سیکھ نہ لیں وہ دینِ الٰہی کی نصرت وحمایت اور اُس کا صحیح طور پر دفاع نہیں کرسکتے۔ اور موجودہ دور میں لوہے کا صحیح استعمال اُس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ سائنس اور ٹکنالوجی میں مہارت اور دسترس حاصل نہ ہوجائے۔

تاریخِ عالم شاہد ہے کہ دُنیا کی کوئی بھی قوم جب تک لوہے کا صحیح استعمال کرتی رہی، دیگر قوموں پر اس کی برتری بھی قائم رہی۔ مگر جیسے ہی اُس نے لوہے سے مُنہ موڑ کر جام وسبو کو گلے لگایا وہ صفحۂ ہستی سے میٹ دی گئی۔ شاعرِ مشرق نے اسی حقیقت کی ترجمانی اس طرح کی ہے۔

میں تجھ کو بتاتاہوں تقدیرِ اُمم کیا ہے
شمشیر وسناں اوّل طاؤس ورباب آخر

پھر اس آیتِ کریمہ میں " ان اللہ قوی عزیز " کی منطق پر غور کیجئے کہ اس کا تقاضا کیا ہے؟

قوی کے معنی ہیں قوت والا۔ اور عزیز کے معنی ہیں وہ ہستی جو کسی دوسرے سے مغلوب نہ ہوسکے۔ اس حیثیت سے اس آیتِ کریمہ کا تقاضا اور صاف مطلب یہ ہُوا، چونکہ اللہ تعالیٰ قوی اور سربلند ہے اس لئے اس کے دین کو بھی ہمیشہ عزت وسربلندی کا مقام حاصل ہونا چاہئے۔ اور یہ عزت وسربلندی اُس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک کہ خود مسلمان قوی اور سربلند نہ ہوجائیں۔ اور مسلمانوں کو یہ قوت وغلبہ اُس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ لوہے کا استعمال اچھی طرح سیکھ نہ لیں۔

حاصل یہ کہ آج نہ صرف دین کی سربلندی اور نظامِ عدل کے قیام کے لئے بلکہ خود مُسلمانوں کی کھوئی ہوئی شوکت اور اقبال مندی کے حصول کے لئے بھی سائنس اور ٹکنالوجی میں مہارت حاصل کرنا ضروری ہے، جس سے چشم پوشی ہماری ملی واجتماعی موت کے مترادف ہے۔ واضح رہے کہ ہماری انفرادی زندگی میں اگرچہ اس چیز کی اہمیّت زیادہ محسوس نہ ہوتی ہو، مگر ہم اجتماعی زندگی میں اس سے اغماض برت کر زیادہ عرصے تک زندہ نہیں رہ سکتے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے دینِ برحق کی مضبوطی اور استحکام کا جو وعدہ فرمایا ہے وہ مشروط ہے، اور جب تک اُمتِ مُسلمہ حرکت میں نہ آئے یہ وعدے پُورے نہیں ہوسکتے۔ لہٰذا علمائے اسلام کا فرض ہے کہ وہ اس بنیادی مقصد کے حصول کے لئے فکری ونظریاتی اعتبار سے قوم وملّت کو تیار کریں اور مختلف طریقوں سے اسے اُبھاریں۔ اور مُسلم حکومتوں کا فرض ہے کہ وہ عملی میدان میں مُلکی وملّی مصالح کو پورا کرنے کی غرض سے ہر ممکن سہولتیں فراہم کریں اور دینِ برحق کی حفاظت اور ملک کے دفاع کے لئے ہر ممکن تدابیر اختیار کریں۔ آج فلسطین اور افغانستان کے حالات نے ظاہر کردیا ہے کہ ہمیں ملک وملّت کے دفاع پر بھی اتنا ہی چوکس اور بیدار مغز رہنا ہے جتنا کہ دین وشریعت کی بقا اور ان کی حفاظت پر۔ لہٰذا ہمیں دونوں میدانوں میں جدوجہد کرنا ہے، ان میں سے کسی ایک چیز کا بھی ہم استخفاف نہیں کرسکتے۔

اُمتِ مُسلمہ کی حالت اس وقت "مردِ بیمار" کی سی ہے، جس کو "مردِ میدان" بنانے کے لئے سخت جدوجہد کرنی پڑے گی۔ واضح رہے کہ ملّتِ اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ محض اُمیدوں اور آرزؤں یا محض دُعاؤں کے سہارے برپا نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا اب ہماری ملّت کو پوری طرح ہوش میں آجانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے کام بتادیا اور کام کرنے کا طریقہ بھی سمجھادیا، تو اب اُسے مزید کس چیز کا انتظار ہے؟ ظاہر ہے کہ دُنیا اسباب ووسائل کی دُنیا ہے۔ مادّی اسباب پر اگرچہ اُصولاً تکیہ نہیں کیا جاسکتا، مگر ان کی اہمیت کو یکسر نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے پورے قرآن میں کسی ایک مقام پر بھی یہ نہیں فرمایا کہ تم ہاتھ پر ہاتھ دھرے محض دُعاؤں اور وظیفوں میں مشغول ہوجاؤ ہم تمہیں فاتح اور کامران بنادیں گے اور تمہارے دشمنوں کو نیست ونابود کردیں گے۔ اس پر خود دورِ رسالت اور دورِ خلافتِ راشدہ کے حالات وواقعات شاہد ہیں کہ دینِ برحق کی سربلندی اور اسلامی مملکت کے قیام کے لئے کتنے مجاہدے کرنے پڑے، کتنے معرکے سر کرنے کی ضرورت پیش آئی اور کتنی آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا!!

یہ راہ پھولوں کی سیج نہیں ہے۔اس میدان میں عملاً سخت جدوجہد کرنی پڑتی ہے،تب کہیں جا کر گوہرِ مراد ہاتھ آتا ہے۔جو قوم مہدیٔ موعود یا معجزات وکرامات کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ جائے وہ زندگی کے میدان میں ہمیشہ مار کھاتی اور ذلت ومسکنت کی چکی میں پستی رہے گی۔مادّی اسباب ووسائل کو یکسر نظر انداز کر جانے والی کسی بھی قوم وملت کے لئے موجودہ دُنیا اور اُس کے مظاہر ایک طلسم سے کسی بھی طرح کم نہیں ہوسکتے اور وہ اس طلسمی جال سے باہر کبھی نہیں نکل سکتی۔

اللہ تعالیٰ کے تمام وعدے مشروط ہیں۔لہٰذا جب تک ہنگامہ ہائے حیات کو اپنے سوزِ جگر سے گرم نہ کیا جائے،چمن میں گل وگلزار پیدا نہیں ہوسکتے۔اُمتِ مُسلمہ سے اللہ تعالیٰ کا پیامِ ابدی یہی ہے کہ تائیدِ غیبی اور نصرتِ الٰہی صرف اُسی وقت حاصل ہوسکتی ہے جب کہ وہ کارزارِ حیات میں کچھ کرنے کے لئے ''حرکت'' میں آجائے اور دینِ الٰہی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اس کی سربلندی کی خاطر سربکف ہوجائے۔

" ان اللہ لایغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم " .

اللہ کسی قوم کی حالت کو اُس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت نہ بدلے۔ (رعد: ۱۱).

" یاایھا الذین امنوا ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم " .

اے ایمان والو!اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو جمادے گا۔ (محمد: ۷).

" ثم جعلنکم خلئف فی الارض من بعدھم لننظر کیف تعملون " .

پھر ہم نے اُن کے بعد تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کس طرح عمل کرتے ہو ! (یونس: ۱۴).

بہرحال اللہ کا مؤکد وعدہ ہے کہ اس دُنیا میں آخری کامیابی ''اللہ والوں'' یا ''حزب اللہ'' کو ہوگی۔یعنی اللہ صرف انہی لوگوں کی مدد کرے گا جو صاحبِ ایمان ہوں اور جہادِ زندگانی میں پورے عزم ویقین اور پختہ شعور کے ساتھ عمل کرنے والے ہوں۔

" وکان حقا علینا نصرا لمومنین " .

اور اہلِ ایمان کی نصرت ہم پر واجب ہے۔ (روم: ۴۷).

" وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین " .

سربلندی اللہ کے لئے،اُس کے رسول کے لئے اور اہلِ ایمان کے لئے ہے۔ (منافقون: ۸).

" فان حزب اللہ ھم الغلبون " .

بلاشبہ اللہ ہی کی جماعت غالب رہے گی۔ (مائدہ: ۵۶).

" وعد اللہ لا یُخلف اللہ وعدہ " .

یہ اللہ کا وعدہ ہے۔اور اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ (روم: ۶).

اُمّتِ مُسلمہ کی موجودہ زبوں حالی اور اُس کا علاج:

علامہ اقبالؔ نے فرمایا ہے :

اے شمع انتہائے فریبِ خیال دیکھ
مسجودِ ساکنانِ فلک کا مآل دیکھ

چنانچہ آج رُوئے زمین پر مُسلمانوں کی تعداد کم وبیش ایک ارب ہے اور اُن کے قبضے میں پچاس کے قریب آزاد حکومتیں بھی ہیں۔ مگر حیرت کی بات ہے کہ اس کے باوجود آج دُنیا میں مُسلمانوں کا سیاسی اور بین الاقوامی سطح پر کوئی مقام نہیں ہے۔ بلکہ دُنیا کا کوئی بھی بڑا ملک انہیں خاطر میں نہیں لاتا اور ان کی کوئی بات نہیں چلتی۔ بلکہ بڑی طاقتیں جو چاہتی ہیں وہی ہوتا ہے۔ اور اس کا سب سے بڑا ثبوت فلسطین اور افغانستان کے حالات ہیں۔ آخر کیا بات ہے کہ اقوامِ عالم کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ودبدبہ قائم ہونا تو در کنار کوئی انہیں شمار اور گنتی میں بھی نہیں لاتا؟ حالانکہ فرمانِ نبوی کے مطابق نبوتِ محمدیؐ کے جن خصائص کا تذکرہ کیا گیا ہے اُن میں سے ایک دُشمنوں پر رعب اور دبدبہ قائم کرنا بھی ہے۔ چنانچہ مسلم شریف میں نبوتِ محمدیؐ کی جو پانچ خصوصیات گنائی گئی ہیں اُن میں سے ایک اس طرح ہے:

"اور مجھے رعب دیا گیا ہے جو ایک ماہ کی مسافت تک مؤثر ہے" ۔ (صحیح مسلم).

اور اس کی شرح اس طرح کی گئی ہے:

"یعنی رُعب کے معنی خوف اور گھبراہٹ کے ہیں، جو اللہ تعالیٰ آپ کے دُشمنوں کے دلوں میں ڈال دے گا۔ لہٰذا وہ ایک مہینے کی دُوری ہی سے خوف اور گھبراہٹ محسوس کرنے لگیں گے" ۔ (مجمع بحار الانوار) .

ایک دوسری حدیث میں اس کے ساتھ حسبِ ذیل اضافہ بھی موجود ہے:

"مجھے رعب دیا گیا ہے۔ اور جب میں سو رہا تھا زمین کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں اور میرے سامنے رکھ دی گئیں" ۔ (مسلم) .

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی اگرچہ صحابہؓ کرام کے دور میں ایک حد تک پوری ہو چکی ہے، جب کہ انہوں نے قیصر وکسریٰ کی سلطنتوں کو پاش پاش کر کے خلافتِ اسلامیہ کے دائرہ کو بے حد وسیع کر دیا تھا۔ مگر عمومی اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ بات قیامت تک ہر دور میں صادق آ سکتی ہے۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ مُسلمان جب تک دُنیا میں طاقتور رہے اور خلافت کے تقاضوں کے مطابق عمل پیرا رہے دُنیا کی حکومت وقیادت بھی انہیں حاصل رہی اور اُن کی شان وشوکت اور رعب ودبدبہ برابر قائم رہا۔ مگر جیسے ہی ان کی یہ خصوصیت یعنی مقصد سے لگن اور جفاکشی زائل ہوئی اور اُس کی جگہ دُنیاداری اور عیاشی نے لے لی وہ پست سطح پر آ گئے اور خلافت کی باگیں بھی اُن کے ہاتھوں سے چھین لی گئیں۔ گویا کہ کسی نے اُنہیں آسمان سے زمین پر دے پٹخا ہو۔

غرض اس رُعب ودبدبہ کے اُٹھ جانے کے باعث آج ملّتِ اسلامیہ کی جو زبوں حالی ہے اس پر تبصرہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ حالِ زار آج ہر شخص اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں اس کی بھی صراحتاً پیش خبری ملتی ہے کہ مسلمانوں کا حال ایسا کیوں اور کس لئے ہوگا؟ اور اس خوفناک مرض کی دوا کیا ہے اور اس بھیانک صورتِ حال سے نکلنے کا راستہ کیا ہے؟

" ثوبانؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریب ہے کہ (تمام) قومیں تم پر (متحدہ طور پر) ٹوٹ پڑیں، جس طرح کہ کھانا کھانے والے برتن پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ کسی نے پوچھا کہ کیا اُس وقت ہم تعداد میں کم ہوں گے؟ تو آپ نے فرمایا نہیں، بلکہ تم اُس وقت بہت زیادہ تعداد میں ہوگے۔ لیکن تم جھاگ (غُثاء) کی طرح ہوگے، جس طرح کہ سیلاب کی وجہ سے (پانی پر جھاگ آجاتا ہے)۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے دُشمنوں کے دلوں سے تمہارا خوف دُور کردے گا اور تمہارے دلوں میں کمزوری (وَھن) ڈال دے گا۔ پوچھنے والے نے پوچھا کہ یارسول اللہؐ وہ کمزوری کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ دُنیا کی محبت اور موت سے کراہت "۔ (ابوداؤد).

یہ رسول اللہ صلعم کی وہ حیرت انگیز پیشین گوئی ہے جو آج حرف بحرف پوری ہوچکی ہے۔ چنانچہ آج مسلمان تعداد میں ایک ارب اور پچاس ملکوں کے مالک ہونے کے باوجود اقوامِ عالم ہر طرف سے اُن پر یلغار کئے ہُوئے ہیں، جس کی وجہ سے اُن کی حالت سیلاب کے جھاگ کی طرح ہوگئی ہے اور اس سلسلے میں حیرت انگیز بات یہ ہے کہ بجائے اس کے غیر مسلموں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ودبدبہ قائم ہوتا اُلٹے خود مُسلمان ہی غیروں سے مرعوب اور خوف زدہ دکھائی دے رہے ہیں۔ یعنی صورتِ حال بالکل معکوس ہوگئی ہے۔

اس اعتبار سے یہاں دو چیزیں ہیں: ایک تو دشمنوں کے دلوں سے ہمارا خوف یا رعب جاتا رہنا۔ اور دوسرے خود ہمارے دلوں میں "وَھن" (دین کے مقابلے میں دُنیا سے محبت) پیدا ہوجانے کے باعث ان میں اغیار کا خوف داخل ہوجانا۔ لہٰذا جب تک مُسلمانوں کے دلوں سے "وَھن" دُور نہیں ہوگا اغیار کے دلوں میں اُن کا "رعب" بھی داخل نہیں ہوسکتا۔ یہ دونوں چیزیں مشروط ہیں۔ ایک چیز نکلے گی تو دوسری چیز داخل ہوگی۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم دُنیاداری اور عیاشی بھی کرتے رہیں اور ہمیں "مفت" میں زمین کی خلافت اور اُس کی چابیاں بھی مل جائیں۔ زمین کی خلافت حاصل کرنے کے لئے سخت محنت اور جدوجہد کی ضرورت پڑتی ہے جو کاہل اور عیاش قوموں کو کبھی حاصل نہیں ہوسکتی۔ اس اعتبار سے یہ حدیث شریف نہ صرف ہمارے زوال وادبار کے اسباب کی صحیح صحیح نشان دہی کررہی ہے بلکہ اُمت کو موجودہ طوفانی بھنور سے باہر نکلنے کا راستہ بھی دکھارہی ہے۔ ان مختصر اعجازی کلمات میں دراصل قوموں کے عروج وزوال کے فلسفے پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

غرض خلافتِ ارض کے میدان میں ہماری دوبارہ کامیابی اور سربلندی کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے تمام ذاتی اغراض

ومقاصد اور تمام دنیوی خواہشات کو ترک کر کے نیز نسلی، قومی، لسانی اور جغرافیائی ہر قسم کے تعصبات سے بالاتر ہو کر محض دینِ الٰہی کی سربلندی کی خاطر جدوجہد کریں اور جسدِ واحد کی طرح کام کریں۔ تب کامیابی ہمارے قدم چومے گی، نصرتِ الٰہی شاملِ حال ہوگی اور اغیار کے دلوں میں اللہ ہمارا رعب ودبدبہ بھی ڈال دے گا۔ اور صلے کے طور پر ہم کو زمین کا وارث وجانشین بھی بنائے گا اور دُنیا بھی عطا کرے گا۔ مگر دُنیا مسلمان کا اصل مقصود نہ ہو۔ اس فرق کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ بقول اقبالؔ :

فطرت افراد سے اغماض بھی کرلیتی ہے
کرتی نہیں ملّت کے گناہوں کو معاف

اسلام میں منصوبہ کی اہمیت:

موجودہ دور منصوبہ بندی PLANNING کا دور ہے اور بغیر منصوبہ بندی اور پلاننگ کے صحیح سمتوں اور صحیح لائنوں میں کوئی کام نہیں ہوسکتا۔ بلکہ منصوبہ بندی کے بغیر ہمہ گیر نتائج نہیں نکل سکتے۔ ظاہر ہے کہ اناپ شناپ کام کی وجہ سے بعض اوقات بنتا ہوا کام بھی بگڑ سکتا ہے۔ یہ منصوبہ بندی بھی دراصل قرآن حکیم ہی کا ایک بھولا بسرا سبق ہے، جس کو اُمّتِ مُسلمہ نے تو فراموش کردیا، مگر غیر قومیں اس سے زندگی کے ہر شعبے میں بھرپور فائدہ اُٹھارہی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ آج ترقی یافتہ قوموں اور معاشروں میں جو کام اور جو اُمور انجام پارہے ہیں اُن کے نقشے اور منصوبے پچھلے دہوں اور پچھلی رُبع صدی میں ذہن ودماغ سے نکل کر صفحۂ قرطاس پر منتقل ہوچکے تھے۔

قرآنِ حکیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کاموں (تمام طبیعی وشرعی اُمور) کے منصوبے مختلف اسباب وعلل کے رُوپ میں بناتا ہے۔

" وخلق کل شيءٍ فقدره تقديراً " .

اور اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اُس کا ایک ضابطہ (منصوبہ) بنایا۔ (فرقان : ۲).

" وکل شيءٍ عنده بمقدارٍ " .

اور ہر چیز اُس کے ہاں ایک خاص انداز سے ہے۔ (رعد : ۸).

" وان من شيءٍ الا عندنا خزائنه وما ننزله الا بقدرٍ معلومٍ "

اور ہمارے پاس ہر چیز کے خزانے موجود ہیں۔ مگر ہم اس کو ایک متعیّن مقدار ہی میں اُتارتے ہیں۔ (حجر: ۲۱).

" ذلک تقدير العزيز العليم "

یہ ہے اندازہ (منصوبہ) ایک زبردست اور ہمہ داں ہستی کا۔ (انعام: ۹۶ ، یٰس : ۳۸ ، حمٓ سجدہ : ۱۲).

یہ زیادہ تر فطری وطبیعی ضوابط کا بیان تھا۔ اور شرعی اُمور کے بارے میں ارشاد ہے:

" وکان امر الله قدراً مقدوراً " .

اور اللہ کا معاملہ پہلے سے تجویز کیا ہُوا ہے۔ (احزاب : ۳۸).

" انا کل شئٍ خلقناہ بقدرٍ وما امرنا الا واحدۃ کلمحٍ بالبصر " .

ہم نے یقیناً ہر چیز کو ایک خاص انداز سے پیدا کیا ہے۔ اور ہمارا حکم تو صرف ایک (بات) ہے، جیسے آنکھ کا جھپکا۔

(قمر: ۴۹. ۵۰).

ان آیات کریمہ کے ملاحظہ سے یہ بے غبار حقیقت سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام کام پورے منصوبوں اور اسکیموں کے تحت ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اور کائنات مادّی وشرعی کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا جزو بھی بغیر منصوبے کے الل ٹپ واقع نہیں ہوتا۔

قرآن حکیم میں اس قسم کی منصوبہ بندیوں کا تذکرہ کرنے کی ایک بہت بڑی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اُمتِ مُسلمہ بھی اپنے تمام کاموں اور اپنے تمام قومی وملی اور اجتماعی مسائل کو حل کرنے کے لئے بہت پہلے ہی سے منصوبے بنائے۔ اور بغیر منصوبے کے اپنا کوئی بھی اجتماعی یا انفرادی کام نہ کرے۔ منصوبہ بندی اور اُس کی اہمیت کو نظر انداز کرنا گویا کہ ایک بے مقصد زندگی گزارنا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری ملی واجتماعی سوجھ بوجھ اور صحیح پلاننگ نہیں ہے۔ قرآنِ حکیم کے اسباق وبصائز کو نظر انداز کرکے بے مقصد زندگی گزارنے والی ملت کبھی کامیابی کی منزل سے ہمکنار نہیں ہوسکتی، اور نہ وہ دُنیا کے اسٹیج پر کوئی کارنامہ دکھاسکتی ہے۔ منصوبہ بندی کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ اس سے ہماری ملی واجتماعی زندگی میں افراط وتفریط اور انتشار کا دور دورہ ختم ہوکر یکسانیت اور ہم رنگی آئے گی۔ جیسا کہ ہم کو نظامِ کائنات میں خُدائی منصوبوں کے باعث یکسانیت اور عدم انتشار نظر آرہا ہے۔ اس طرح فطرت وشریعت کا ساز متحد ہوسکتا ہے۔

یہ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ آج زندگی کے میدان میں وہی ملت ایک دوراہے پر کھڑی، انتشارِ ذہنی میں مبتلا اور "بے فکری" کا مظاہرہ کرتی نظر آرہی ہے جس کے سامنے قرآنِ حکیم جیسا ابدی وسرمدی اور مکمل دستور العمل موجود ہے، جس میں انفرادی واجتماعی زندگی کے سارے "منصوبے" اور اسکیمیں مفصل طور پر اور پوری وضاحت کے ساتھ مذکور ہیں۔ اب ہماری اس سے بڑھ کر بدقسمتی اور محرومی اور کیا ہوسکتی ہے کہ ہم اس سرچشمۂ ہدایت سے محض اپنی بے حسی اور کوتاہ بینی کی وجہ سے غافل ہوکر غیروں کے آستانوں کی طرف لپکیں اور غیروں سے اُصول ونظریات مستعار لینے کی کوشش کریں!

اگر دُنیا میں ہم کو باعزّت زندگی گزارنی ہے، ملی واجتماعی حیثیت سے اپنا درجہ بلند کرنا ہے اور سب سے بڑھ کر ملتِ اسلامیہ کی نشأۃ ثانیہ ہم کو عزیز ہے تو پھر ہم کو کاہلی و بے فکری، ذہنی انتشار اور پراگندگی، بدعملی اور بے راہ روی کو ترک کرکے سچی محنت اور لگن کے ساتھ مُسلسل جدوجہد کرنی پڑے گی۔ تب کہیں جاکر گوہرِ مُراد حاصل ہوسکتا ہے اور نُصرتِ الٰہی شاملِ حال ہوسکتی ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کاہلوں، بدعملوں اور عیاشوں کی کوئی مدد نہیں کرتا اور حالات کو ہرگز نہیں بدلتا۔ انقلاب لانے کے لئے انقلابی تبدیلیاں بھی کرنی پڑتی ہیں۔ دُنیا میں آج تک ایسا کبھی نہیں ہوا کہ سخت محنت، جدوجہد اور جفاکشی کے بغیر کوئی بھی انقلاب نرم بستروں اور آراستہ مسہریوں پر رُونما ہوگیا ہو۔

" ان اللہ لایغیر ما بقومٍ حتی یغیروا ما بانفسھم "

اللہ کسی قوم کی حالت کو اُس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت نہ بدلے۔ (رعد: ۱۱).

مُسلمانوں کے سوچنے کے انداز میں آج رُوحانیت کا اتنا غلبہ ہو گیا ہے کہ وہ عملاً مادّی دُنیا، مادّی قوانین اور اسباب و وسائل کی اہمیت ہی کو نظر انداز کر چکے ہیں۔ اور ان کے ذہنی و نفسیاتی احوال و کوائف کو دیکھا جائے تو ایک عجیب و غریب قسم کی عدم توازن اور ذہنی انتشار نظر آتا ہے۔ بلکہ اس کی کوئی توجیہہ کرنا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ آج مسلم قوم میں اپنی عملی زندگیوں میں دوہرے معیار کا شکار دکھائی دیتی ہیں۔ وہ اپنی انفرادی زندگی اور انفرادی معاملات میں تو ظاہری اسباب و وسائل سے خوب آشنا ہیں اور ان سے خوب کام لیتی ہیں۔ مگر جیسے ہی کوئی ملّی یا اجتماعی معاملہ سامنے آتا ہے تو فوراً اسباب و وسائل کی اہمیت کو سرے سے نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ یا پھر باطنی اسباب یا معجزات کے ظہور کا انتظار کیا جانے لگتا ہے۔ اس طرح اجتماعی معاملات و مسائل میں عموماً اس قدر خود غرضی اور بے حسی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے گویا کہ ہمیں ملّی و اجتماعی مسائل سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے۔ حالانکہ قرآن اور حدیث کی تمام تعلیمات "جماعتی زندگی" کے احوال و مسائل ہی سے متعلق ہیں۔ ان احکام کا تقاضا ہے کہ اسلامی معاشرہ حقیقی بنیادوں پر قائم ہو اور ہمارے تمام مظاہر میں یکسانیت اور حقیقت پسندی آئے۔ لہٰذا ہماری جماعتی زندگی کو منظم و فعال بنانے اور منصبِ خلافت کے دوبارہ حصول کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے تمام ملّی و اجتماعی معاملات میں منصوبہ بندی سے کام لیا جائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے "بہترین دماغ" اکٹھا ہو کر امتِ مُسلمہ کی تنظیمِ نو کے لئے صحیح پلاننگ کریں تا کہ وہ پراگندگی اور انتشار سے نجات پائے۔

خلافتِ ارض اور جہاد فی سبیل اللہ:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دُنیا میں خلیفہ بنا کر پیدا کیا ہے۔ اور خلیفے کے بہت سے فرائض ہیں، جن میں سے ایک نہایت اہم فریضہ رُوئے زمین پر عدل و انصاف کا قیام اور ظلم و عدوان کا استیصال ہے۔ اور انسان کو علمِ اشیاء اور علمِ موجودات اس لئے عطا کیا گیا ہے کہ وہ اس علم سے معرفتِ الٰہی کے ساتھ ساتھ مادّی قوت و شوکت بھی حاصل کر کے دُنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے اور جور و ستم کا خاتمہ اور شر و فساد کا استیصال کرے۔ چنانچہ جب کبھی دُنیا میں فتنہ و فساد برپا ہو تو اُسے ختم کر کے نوعِ انسانی کی راحت رسانی کا سامان بہم پہنچانا شرعاً ضروری ہو جاتا ہے۔ اور اسی شرعی فریضے کی ادائیگی کا نام اصطلاحِ شریعت میں جہاد ہے۔ چنانچہ جب تک مسلمان جہاد کی اصل غرض و غایت اور اُس کی حقیقی اسپرٹ سمجھ نہ لیں اور اس کے تقاضوں کے مطابق کارزارِ حیات میں جدوجہد نہ کریں وہ دُنیا میں صحیح معنی میں خلیفہ نہیں بن سکتا۔ لہٰذا آج خلافتِ ارض کا تقاضا ہے کہ طاغوتی قوتوں کے خلاف پوری طاقت کے ساتھ جہاد کیا جائے اور ان تمام فتنوں کو جڑ بنیاد سے اُکھاڑ پھینکا جائے۔

اس لحاظ سے ہمارے تمام مسائل کا حل جہاد میں پوشیدہ ہے۔ خواہ نظامِ شریعت اور عدلِ الٰہی کو کامل طور پر قائم کرنے کی حیثیت سے ہو یا ہمارے ملکوں کے داخلی و خارجی استحکام اور ان کے دفاع کے لحاظ سے، خواہ یہ تمدنی و اجتماعی مسائل و مشکلات کو حل

کرنے کی حیثیت سے ہو یا معاشی و عسکری معاملات کو سلجھانے کی غرض سے ۔ ملّتِ اسلامیہ میں بیداری پیدا کرنے اور عوامی ذہن بنانے کے لئے ضروری ہے کہ جہاد کے بنیادی مقاصد اور اس کی حکمتوں نیز اس سے حاصل ہونے والے ممکنہ جدید تمدنی و اجتماعی فوائد کو پوری طرح کھول کر بیان کیا جائے۔ ہمارے ذہنوں میں جہاد کا جو مفہوم بیٹھا ہوا ہے وہ بہت ہی محدود بلکہ بہت بڑی حد تک ڈراؤنا ہے۔ اور لوگ جہاد کا نام ہی سُن کر یا تو گھبرا جاتے ہیں یا پھر مخالفینِ اسلام کی غلط تشریح و توجیہہ کی بنا پر جو تصوّر ہمارے ذہن میں جاگزین ہو چکا ہے اُس کی وجہ سے کانوں پر ہاتھ رکھ لیتے ہیں۔ گویا کہ جہاد بھی کوئی بے جا، بھیانک، غیر انسانی اور جارحانہ فعل ہے۔ حالانکہ حقیقت کے اعتبار سے جہاد صرف فتنہ و فساد کی روک تھام، ظلم و زیادتی کے خاتمے اور زیادہ تر دفاعی ضروریات کا نام ہے۔ اور دُنیا کا ہر ملک اپنے ملک و قوم کا دفاع ضروری بلکہ اس کو اپنا ایک ناگزیر بنیادی حق سمجھتا ہے۔ اور اس وقت دُنیا کی تمام قوموں اور تمام ملکوں میں بہت ہی زوردار مقابلہ چل رہا ہے۔ جیسا کہ مختلف ممالک کے سالانہ بجٹوں کے ملاحظہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

اس لحاظ سے ضروری ہے کہ آج ہماری پوری اجتماعی زندگی جہاد کے نقطۂ نظر سے، جہاد کے تقاضے کے مطابق اور جہاد کی بنیادی اسپرٹ کے تحت گزرے اور ہماری تمام تمدنی و اجتماعی سرگرمیوں کا بنیادی محور جہاد ہو۔ اور پورے عالمِ اسلام کو ایک یونٹ بنا کر مختلف سائنسی، صنعتی اور ٹکنیکل میدانوں میں آگے بڑھنا چاہئے۔ تب کہیں جا کر ہم موجودہ چیلنج کا صحیح جواب دے سکتے ہیں اور اپنے دین و ملّت کا صحیح معنی میں دفاع کر سکتے ہیں۔

مادّی غلبہ حاصل کرنے کے لئے ظاہر ہے کہ مادّی اسباب و وسائل کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ یہ دُنیا اسباب و وسائل کی دُنیا ہے۔ اور یہ چیز نہ تو توکّل کے خلاف ہے اور نہ خُدا پر ایمان اور بھروسے کے مُنافی ہے۔ بلکہ یہ حقیقت خُداوندِ کریم ہی کا حکم ہے کہ ہم اسباب و وسائل کو نظر انداز نہ کریں۔ بلکہ اپنی قوت و استطاعت کے مطابق مادّی اسباب و وسائل فراہم کریں۔ (انفال : ٦٠).

ورنہ دُشمنانِ اسلام کے حوصلے بلند ہو جائیں گے اور وہ ایک دن بھی ہمیں چین و سکون سے بیٹھنے نہیں دیں گے۔ لہٰذا دُشمنانِ اسلام پر رعب اور دبدبہ قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو مادّی وسائل سے آراستہ کریں۔

یہ وقت باتوں میں، تقریروں اور لکچروں میں، شاعری اور لطیفہ گوئی میں یا بیکار قسم کے تفریحی مشاغل میں گزارنے اور برباد کرنے کا نہیں ہے۔ بلکہ ہماری قومی اور ملّی زندگی کا ایک ایک لمحہ بہت ہی قیمتی اور گراں مایہ ہے، جس ہمارے نونہالوں اور آنے والی نسلوں کی بقا اور اُن کے استحکام کا دارومدار ہے۔ اس معاملے میں ہمارے اربابِ ملّت کو پوری سنجیدگی اور پوری ذمہ داری کے ساتھ سوچنا اور اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کرنا ہے۔ اس وقت ہماری ملّت کی تعمیرِ نو اور تشکیلِ نو کا کام بہت ہی اہم ہے۔ اور اس اہم کام کے لئے چند مخلص افراد اور چند بہترین ''دماغوں'' کو وقف ہو جانا چاہئے۔ تب کہیں جا کر کوئی ٹھوس، مثبت اور پائیدار نتیجہ نکل سکتا ہے۔ ہماری ملّی زندگی کی کایا پلٹنے کے لئے ہمیں حقائق کا مطالعہ کرنا چاہئے اور ہر چیز کا حقیقی و واقعاتی نقطۂ نظر سے جائزہ لینا چاہئے۔

محض جذباتی بن کر جذبات کے سہارے دُنیا کی کایا پلٹی نہیں جاسکتی۔

مادّی میدان میں ترقی کرنے اور مادّی قوت وشوکت حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مُسلم معاشرے کو سائنس اور ٹکنالوجی کے میدان میں آگے بڑھایا جائے اور اس کو نیا عزم اور نیا حوصلہ عطا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے سامنے قرآنِ حکیم کی وہ تمام آیات پیش کی جائیں جن میں خُداوند کریم کی نعمتوں سے استفادہ کرنے یعنی مظاہر کائنات کی تسخیر کرکے ان میں ودیعت شدہ فوائد سے مستفید ہونے کی دعوت دی گئی ہے۔ برّ وبحر کی اس تسخیر کا خلافتِ ارض کی تکمیل کے ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں لازم وملزوم ہیں۔ اور اسی پر اُمتِ مُسلمہ کی نشاۃ ثانیہ موقوف ہے۔

آج مُسلم معاشرے کے سوچنے سمجھنے کے انداز اور اُس کے ذہنی ونفسیاتی احوال وکوائف میں تبدیلی لانے کے لئے ضروری ہے کہ عصرِ جدید کے تمام علوم وفنون کو اسلامی بنا کر اور اسلامی اصطلاحوں میں پیش کیا جائے۔ ورنہ صدیوں کی دُوری اور اجنبیت...... جو ان علوم سے ربط ٹوٹ جانے کی وجہ سے پیدا ہوگئی ہے...... وہ ختم نہیں ہوسکتی اور کوئی ہمہ گیر انقلاب نہیں آسکتا۔ مثلاً سائنس کی بجائے ''علم الاسماء'' یا ''علمِ اشیاء'' اور ٹکنالوجی کی بجائے ''علمِ تسخیر'' کی اصطلاحیں استعمال کی جائیں اور انہی رواج دیا جائے۔

غرض ملّتِ اسلامیہ کی زندگی کا دارومدار جہاد اور صرف جہاد ہے۔ جہاد ہی ہمارے تمام دُکھوں کا مداوا اور ہمارے تمام اجتماعی اور بین الاقوامی مسائل کا واحد حل ہے۔ یہ ہماری تمام ملّی سرگرمیوں کا محور اور ہماری تمام فوجی وعسکری اور سائنسی وصنعتی تیاریوں کا مقصودِ اصلی ہے۔ اور اسی بنا پر حضرت آدم علیہ السلام کو ''علمِ اسماء'' عطا کیا گیا تھا، تاکہ وارثینِ علمِ آدم اس علم کو حاصل کریں اور ہر دور میں اس کے تقاضوں کے مطابق صحیح معنی میں جہاد کی تیاریوں میں مصروف رہیں۔ اور اپنے ملک وملّت کا دفاع کرکے صحیح معنی میں اپنے آپ کو خلافتِ ارض کا مستحق ثابت کریں۔

موجودہ دور میں جہاد کی تیاری اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتی جب تک کہ ہم جدید سے جدید تر تمام صنعتوں میں برتری حاصل نہ کرلیں اور مختلف مصنوعات اور دھاتوں سے صحیح واقفیت اور جانکار حاصل نہ کرلیں۔ آج دھاتوں کے صحیح علم اور اُن کے صحیح استعمال کے لئے علمِ کیمیا اور طبیعیات میں مہارت حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ لہٰذا ان علوم سے کنارہ کشی اختیار کرکے موجودہ دور میں ہم نہ تو صحیح معنی میں جہاد کی تیاری کرسکتے ہیں اور نہ اپنے آپ کو ''خلیفۃ الارض'' ہی ثابت کرسکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ''زمین کی جانشینی'' کے لئے زمینی علوم اور زمینی ''قواعد وضوابط'' سے واقفیت ضروری ہے۔ اس اعتبار سے ''خلافتِ ارض'' اور ''علمِ اسماء'' میں چولی دامن کا سا ساتھ ہے۔

فلسفۂ تاریخ کے نقطۂ نظر سے قوموں کو سرگرمِ عمل رکھنے کے لئے جہاد ایک بہترین نظریہ اور دین وملّت کی حفاظت وبقا اور خلافتِ ارض کی تکمیل کے نقطۂ نظر سے ایک بہترین حل ہے۔ بلکہ دراصل خلافتِ ارض کی کامیابی کا سارا دارومدار جہاد میں پوشیدہ ہے۔ اسی بناء پر جہاد کو ایمان کی علامت اور اس سے جی چُرانے کو مُنافقت کی نشانی قرار دیا گیا ہے۔ (توبہ: ۸۶۔ ۸۸)۔

حقیقت یہ ہے کہ جس قوم میں جہاد کا صحیح جذبہ اور اسپرٹ کام کر رہے ہوں اور اُس کے مطابق اُس کی قومی زندگی ڈھل رہی ہو وہ قوم کبھی مغلوب نہیں ہوسکتی۔قوموں کے زوال اور ان کے تنزل کا باعث سُستی و کاہلی اور عیش و عشرت ہیں جیسا کہ صحیفۂ تاریخ کا فیصلہ ہے۔اس حیثیت سے جہاد حقیقتاً دین کی رُوح، خلافتِ ارض کا جوہر اور اُس کی بنیادی اینٹ ہے۔اور یہ چیز بغیر قربانیوں کے حاصل نہیں ہوسکتی۔

حاصل یہ کہ جو قوم جہاد کی صحیح حقیقت اور اُس کی صحیح اسپرٹ سمجھ لے وہ دُنیا میں کبھی ناکام نہیں ہوسکتی۔اور موجودہ بین الاقوامی صورتِ حال کے لحاظ سے آج جہاد کی صحیح تیاری کے لئے "علمِ اسماء"، "علمِ معادیر" اور "علمِ تسخیر" (علومِ آدم) سے واقفیت اور ان میں دسترس حاصل کرنا ضروری ہے۔اس کے بغیر آج ہم اپنی ملّت اور اپنے ملکوں کا دفاع نہیں کر سکتے۔یہ ہے خلافتِ ارض اور علمِ اسماء کے تعلق کی صحیح نوعیت و حقیقت جس کا بیان قصۂ آدم (سورۂ بقرہ، رکوع :۴) میں کیا گیا ہے۔

بیسویں صدی میں استعماریت کی نئی شکل:

آج غیر قوموں پر سیاسی غلبے یا استعماریت ونو آبادیت COLONIALISA کا دور نہیں رہا۔ بلکہ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں یورپین قوموں نے برق و بھاپ کو مسخر کر کے اور اپنی طاقت و اقتدار کے بل بوتے پر جن جن ایشیائی اور افریقی ممالک پر قبضہ کرلیا تھا، وہ بیسویں صدی میں خود انہی قوموں کے وضع کردہ فلسفۂ قومیت و وطنیت NATIONALISM کے منطقی نتیجے کے طور پر ایک ایک کر کے سب کے سب آزاد ہوتے چلے گئے۔اور ان مفتوح و مغلوب قوموں کے جذبۂ آزادی کو دبانے اور کچلنے کے لئے ان کی قوت و طاقت اور شان و شوکت کچھ بھی کام نہ آسکی۔مگر یہ عجیب بات ہے کہ وہ قومیں جو اقوامِ مغرب کے غلبے و تسلّط سے سیاسی طور پر آزاد ہوگئیں، ذہنی، تہذیبی اور تمدّنی اعتبار سے ان اقوام کے تسلّط سے آزاد نہ ہوسکیں۔کیونکہ تعلیم اور علوم وفنون نیز صنعت و ٹکنالوجی کے باب میں یہ قومیں بدستور پس ماندہ اور مغرب سے کوسوں دُور ہیں۔نتیجہ یہ کہ سیاسی آزادی کے باوجود گویا کہ اپنی تمدنی اور فوجی ضروریات کے باب میں عملاً انہی کی دست نگر اور انہی کی غلام بنی ہُوئی ہیں۔اور یہ تمدّنی غلامی اُس وقت تک برقرار رہے گی جب تک کہ یہ قومیں علوم وفنون میں کمال حاصل کر کے صنعت اور ٹکنالوجی میں ترقی نہیں کرلیتیں اور ہر حیثیت سے اپنے آپ کو خود کفیل نہیں بنالیتیں۔

ایک حیثیت سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ تہذیبی و تمدّنی غلام دراصل سیاسی غلامی سے بھی بدتر ہے، بلکہ وہ نو آزاد ملکوں کے سیاسی عدم استحکام اور اندرونی خلفشار کی ایک علامت بنا ہُوا ہے۔کیونکہ غالب اور ترقی یافتہ قومیں اس قوت کو ایک سیاسی حربے کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔اور اس حربے کی وجہ سے بڑی طاقتوں کو ان غیر ترقی یافتہ اور پس ماندہ ملکوں کے اندرونی معاملات میں دخیل بننے اور اپنی من مانی شرائط کے منوانے کا بھی موقع مل جاتا ہے۔اس طرح گویا کہ نو آزاد ملکوں کی سیاسی آزادی بڑی طاقتوں یا طاقتور قوموں کے پاس رہن رہتی ہے اور وہ وقت آنے پر جو چاہتی ہیں کر گزرتی ہیں۔ بلکہ اب تو کچھ ایسے تماشے ظاہر ہونے لگے ہیں کہ

آزاد ممالک کی بھی خیر نظر نہیں آ رہی ہے۔اور کھلم کھلا جارحانہ کاروائیاں شروع ہو چکی ہیں۔جن میں سے ایک واضح مثال ماضی قریب میں فلسطین مرحوم کی تھی اور ایک تازہ مثال افغانستان کی ہے، جو اپنی آزمائش کے بدترین دور سے گزر رہا ہے۔

اسی طرح بڑی طاقتوں کی حریصانہ اور للچائی ہوئی نظریں آج مشرقِ وسطیٰ کے مسلم ممالک اور خصوصاً خلیجی ملکوں پر لگی ہوئی ہیں اور وہ ان کی معاملات میں دخیل بن کر ان پر قبضہ کر لینے کے لئے مختلف حیلوں اور بہانوں کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔کیونکہ ان ممالک سے حاصل ہونے والی خام پیداوار (پٹرول) کی حیثیت اپنی صنعتی، تمدنی اور عسکری اہمیت کے لحاظ سے دُنیا کی شہ رگ کی حیثیت رکھتی ہے۔

ان حالات میں قصہء آدم اور اس کا فلسفہ ہم کو جھنجوڑ رہا ہے اور یہ سبق دے رہا ہے کہ ہم جتنی جلد ہو سکے مغرب کی...... یا زیادہ صحیح معنوں میں ترقی یافتہ قوموں کی...... اس بدترین غلامی اور اُن کے طلسمی جال سے باہر نکلیں اور اپنے پیروں پر آپ کھڑے ہونا سیکھیں۔مادی اعتبار سے قوت وطاقت حاصل کئے بغیر ہم سیاسی استحکام کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے۔اور مادی قوت وطاقت کا راز علوم وفنون اور سائنس وصنعت کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے، ذہنی وفکری قوتوں کو بیدار کرنے اور انہیں پروان چڑھانے میں پوشیدہ ہے۔لہٰذا ملتِ اسلامیہ کو خود کفیل بنانے کی خاطر پوری سنجیدگی کے ساتھ اس معاملہ میں غور کرنا اور عملی طریقے اختیار کرنا چاہئے، تاکہ پندرھویں صدی اسلام کی صدی بن سکے اور دینِ اسلام کا بول بالا ہو۔

عالمِ اسلام کا اتحاد کیوں اور کیسے؟

شاعرِ اسلام علامہ اقبال نے عالمِ اسلام کے اتحاد کے لئے ایک ولولہ انگیز پیغام دیا ہے جو یہ ہے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے — نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر
جو کرے گا امتیازِ رنگ وخوں مٹ جائے گا — تُرک خرگاہی ہو یا اعرابی والا گُہر
نسل اگر مُسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی — اُڑ گیا دنیا سے تو مانندِ خاکِ رہ گُور
تا خلافت کی بنا دُنیا میں ہو پھر اُستوار — لا کہیں سے ڈھونڈھ کر اسلاف کا قلب وجگر

واقعہ یہ ہے کہ ملتِ اسلامیہ زوالِ بغداد، زوالِ اُندلس اور زوالِ تُرکی کے بعد ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور ایسی منتشر و پراگندہ کہ بکھرے ہوئے یہ ٹکڑے پھر کسی ایک مرکزی آئیڈیالوجی کے تحت اکھٹا نہ ہو سکے۔اور مغربی فلسفہء قومیت یا نیشنلزم نے بھی اس افتراق وانتشار میں مزید شدّت پیدا کی اور باہم شیر وشکر ہونے کی راہ میں وہ سنگِ گراں ثابت ہوا۔آج کہنے کو تو دُنیا کے نقشے پر پچاس کے قریب آزاد مُسلم حکومتیں نظر آتی ہیں جو اقوامِ متحدہ کی رُکن ہیں، مگر ان میں سے شاید ہی کوئی دو حکومتیں ایسی ہوں جن کے دل باہم پورے طور پر ملے ہُوئے اور پوری طرح ہم آہنگ ہوں۔کیونکہ ان کے درمیانی نسلی، خاندانی، گروہی، لسانی، تہذیبی، نظریاتی اور جغرافیائی دیواریں حائل ہیں۔اور یہ دیواریں غیر حقیقی ہیں، جن کو اُونچا کرنے اور مضبوط بنانے میں مغرب کا ذہن دماغ کارفرما رہا

ہے، تاکہ آدم کے بیٹے مختلف گروہوں اور ٹکڑیوں میں بٹ کر اور آپس ہی میں دست بگریباں ہو کر ختم ہو جائیں۔

اسلام کی نظر میں یہ تمام قومی و نسلی اختلافات برائے تعارف اور ایک دوسرے کی پہچان کی غرض سے ہیں، نہ کہ ایک دوسرے سے عناد اور دشمنی پیدا کرنے کے لئے۔ (حجرات:۱۳) مگر اس واضح تعلیم کے باوجود فلسفۂ قومیت و وطنیت کی زد سب سے زیادہ اسلام ہی پر پڑی اور چھوٹی بڑی تمام مُسلم قومیں اپنے آپ کو دیگر اقوام و ممالک سے ممتاز و برتر تصوّر کرنے لگیں۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ وہ عظیم ملت جو وحدتِ اُمت کا آفاقی تصوّر لے کر دُنیا میں آئی تھی خود ہی مختلف ٹکڑیوں میں بٹ کر ایک دوسرے کا گلا کاٹنے لگ گئی۔ جیسا کہ ہم کو عصرِ جدید میں ترک و عرب، مصر و یمن، مصر و لیبیا، لیبیا و سوڈان، الجیریا و مراکش، انڈونیشیا و ملیشیا اور اب عراق و ایران کی باہمی کش مکش اور جدال و قتال کی شکل میں دکھائی دے رہا ہے۔ اس باہمی سر پھٹول اور غیر ضروری کشت و خون کا نتیجہ یہ ہُوا کہ ہماری ہوا اُکھڑنے لگی اور ہم اپنے حقیقی دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہے۔ بلکہ ہمارے وسائل آپسی نزاع اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے ہی میں صرف ہو گئے۔ اور دوسری حیثیت سے ہماری اس کمزوری کا ہمارے دشمنوں نے خوب فائدہ اُٹھایا اور خود ہم کو ایک تر نوالہ سمجھ کر ایک ایک کو ہڑپ کرنے کے خفیہ منصوبے بننے لگے۔ اس کا ایک بیّن ثبوت فلسطین ہے جو آج ہمارے لئے ایک "دیوارِ گریہ" کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ اسی طرح افغانستان کا خونیں واقعہ بھی ہمارے لئے ایک بہت بڑے سبق کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن اگر ہمارے انتشار و افتراق کا یہی حال رہا تو پھر ہمارے ممالک کا خُدا ہی حافظ ہے۔ دُنیا کی حریص اور لالچی قومیں اپنے دانت تیز کیے ہم پر جھپٹنے کے لئے تیار بیٹھی ہیں۔ اگر ہم نے موجودہ صورتِ حال اور بین الاقوامی پوزیشن کو نہیں سمجھا تو پھر ایک ایک کر کے سب ختم ہو جائیں گے۔ فلسطین اور افغانستان کے واقعات عالمِ اسلام کو جھنجوڑنے کے لئے کافی ہیں۔ اس نوشتۂ دیوار کو پڑھنے کے باوجود بھی اگر وہ ہوش میں نہ آئے تو پھر اُس کی بربادی کو کوئی روک نہیں سکتا۔

یوں تو پوری تاریخ اسلام ملّت کے باہمی نزاعات اور افتراق و انتشار سے بھری ہُوئی ہے، مگر زوالِ ترکی کے بعد پھر کوئی ایسی وسیع سلطنت قائم نہ ہو سکی جس کی مرکزی حیثیت ہوتی اور وہ تمام کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر سکتی۔ ترکی کی بچی کھچی خلافت اگرچہ اسلام کی صحیح ترجمان تو نہیں تھی مگر اس کی وجہ سے ایک بھرم قائم تھا۔ مگر یہ ملّتِ اسلامیہ کی بہت بڑی محرومی اور بد نصیبی تھی کہ ترکی کے مُصطفیٰ کمال پاشا نے اپنی سادہ لوحی کے باعث ۱۹۲۴ء میں خلافتِ اسلامیہ کو ختم کر کے وحدتِ اسلامی کو پارہ پارہ کر دیا اور اسلام اور مسلمانوں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔ خلافتِ اسلامیہ کو کالعدم قرار دینے کا عمل انگریزوں کے اشارے پر عمل میں آیا تھا، جس کا فائدہ استعماریت COLONIALISM نے اُٹھایا حکیمِ مشرق علامہ اقبال نے اسی واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہُوئے فرمایا ہے۔

چاک کر دی تُرکِ ناداں نے خلافت کی قبا ۔۔۔ سادگی مُسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

ترکی کے زوال اور خلافتِ اسلامیہ کی تحلیل نے ملّتِ اسلامیہ کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔ پہلی جنگِ عظیم کے بعد اس وسیع

عظیم اسلامی سلطنت کے حصے بخرے شروع ہو گئے۔ فرانس اور برطانیہ نے مشرقِ وسطیٰ کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے انہیں زاغ و زغن کی طرح نوچنا شروع کر دیا جو ترکی کے ماتحت تھے۔ پھر اسرائیل کی شکل میں عربوں پر ایک عذاب مسلط کر گئے، تاکہ وہ کبھی چین و سکون کا سانس نہ لے سکیں۔ لیکن افسوس کہ اسرائیل جیسا پھنکارنے والا اژدھا بھی عربوں کو باہم متحد نہ کر سکا اور وہ اس کے مقابلے سے عاجز رہ گئے۔

اسی طرح وسطِ ایشیا کی مُسلم ریاستیں جو آزمینیا، آذربائجان، ترکمانستان، تاجکستان، اُزبکستان اور قزاقستان وغیرہ ناموں سے مشہور ہیں، یہ بھی پوری طرح ہمارے ہاتھوں سے نکل چکی ہیں۔ جب اُنیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں ان مُسلم سلطنتوں اور قبیلوں پر نے مختلف طریقوں سے قبضہ جمالیا۔ اور آج محض ان کے نام ہی نام باقی رہ گئے ہیں۔ حالانکہ ان علاقوں میں اکثریت مُسلم قبائل کی ہے، جن کی مجموعی آبادی کئی کروڑ ہے۔

اگر مُسلم ممالک کا کوئی کنفیڈریشن یا متحدہ بلاک UNION موجود ہوتا تو وہ یہ صورتِ حال کبھی نہ پیش آتی۔ واقعہ یہ ہے کہ خود ہمارے اختلافات اور خانہ جنگیوں نے دوسروں کو ہم پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی ہے۔ جس طرح کہ اسپین کی خانہ جنگی کی بدولت وہاں سے اسلامی حکومت کا خاتمہ بالخیر بلکہ وہاں سے مسلمانوں کا نام و نشان تک مٹ گیا۔

پاکستان، افغانستان، ایران اور ترکی، جغرافیائی اعتبار سے ایک زنجیر کی طرح ہیں۔ اگر ان چاروں ممالک کے درمیان کوئی کنفیڈریشن عمل میں آ گیا ہوتا تو وہ روس کے لئے ''دیوارِ چین'' ثابت ہو سکتا تھا۔ اور اس صورت میں افغانستان پر حملہ کرنے یا اپنی پٹھو حکومت کے ذریعہ اس پر قبضہ کر لینے کی جرأت کبھی نہ کرتا۔ پاکستان، ایران اور ترکی کے درمیان کچھ عرصہ پہلے بہت گاڑھی چھنتی تھی۔ مگر گردشِ لیل و نہار کے باعث یہ اتحاد ٹوٹ گیا اور تعلقات سرد پڑ گئے۔ ایران کا حالیہ انقلاب ''اسلامی انقلاب'' کے رُوپ میں ظاہر ہُوا تھا، جس نے پوری دنیا کی نظریں اپنی طرف مرکوز کر لی تھیں۔ مگر بہت جلد اس کی قلعی کھل گئی جو اصلاً ایک شیعہ انقلاب تھا اور دُنیا کو دھوکہ دینے کے لئے اُس نے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا۔

اس وقت پاکستان، مصر اور ترکی میں احیائے اسلام کی تحریکیں کافی تیز ہیں اور دیگر ممالک میں بھی اسلامی تحریک سرگرمِ عمل ہے۔ لہٰذا اگر اس قسم کے ممالک قریبی روابط قائم کر کے عالمِ اسلام کے اتحاد کے لئے کام کریں تو ملتِ اسلامیہ کی نشأۃ ثانیہ کی راہیں ہموار ہو سکتی ہیں۔ صحیح نتائج برآمد ہونے کے لئے ضروری ہے کہ چند ہم خیال ممالک مل کر کسی قسم کا باہمی کنفیڈریشن یا مشترکہ بلاک قائم کریں، تاکہ مسلم ممالک کی خارجہ پالیسی میں یکسانیت پیدا ہو۔ مگر مشکل یہ ہے کہ اس وقت دنیائے اسلام کے درمیان جتنے اختلافات پائے جاتے ہیں اتنے کبھی اور کسی دور میں نہیں تھے۔ ہر جگہ ایک عجیب و غریب قسم کی نظریاتی کش مکش برپا نظر آتی ہے اور مختلف و متضاد نظریات کے درمیان کسی قسم کا توازن دکھائی نہیں دیتا۔ کیونکہ کوئی امریکہ کا حلیف ہے تو کوئی روس کا، کوئی اشتراکیت اور سوشلزم پر یقین رکھتا ہے تو کوئی مغربی جمہوریت کا نقیب دکھائی دیتا ہے۔ اور اس اعتبار سے ان سب کو کسی ایک نظریہ اور آئیڈیالوجی پر متفق

ومتحد کرنا ایک سخت مشکل کام ہے۔مگر ہمیں بددل اور مایوس نہیں ہو جانا چاہئے۔ بلکہ اس راہ میں پورے عزم وحوصلے اور پورے صبرو سکون کے ساتھ اسلام کے ابدی پیغام کی تبلیغ کرنے اور عالمِ اسلام کو اتفاق واتحاد کی دعوت دینی چاہئے۔ اگر خدا نے چاہا تو تمام مشکلیں آسان ہو سکتی ہیں۔کاش کہ ''خلافتِ اسلامیہ'' کا مرکزی کردار باقی رہتا جو ساری دُنیا کے مسلمانوں کی نظر میں ایک تقدس کا درجہ رکھتا تھا۔اور اس بنا پر وہ اتحادِ اسلامی کی ایک علامت تھا۔آج بھی یہ نسخہ آزمایا جاسکتا ہے۔مگر اس راہ میں انتھک جدوجہد کی ضرورت ہے۔علامہ اقبال نے اتحادِ اسلامی کے لئے یہی پیغام دیا ہے۔

تا خلافت کی بنا دُنیا میں ہو پھر استوار ــــ لا کہیں سے ڈھونڈھ کر اسلاف کا قلب وجگر

مُسلم ممالک کو یاد رکھنا چاہئے کہ اگر انہوں نے خود غرضی اور جذباتیت کا مظاہرہ کیا تو پھر وہ پنپ نہیں سکیں گے۔اُن کے لئے ضروری ہے کہ وہ جذباتی سیاست اور غیر متوازن نظریات کا شکار ہوئے بغیر پوری سنجیدگی، خلوص اور دُور اندیشی کے ساتھ پوری ملتِ اسلامیہ کی بھلائی کی خاطر کام کریں۔اور ایسا کوئی اقدام نہ کریں جس کی وجہ سے ملتِ اسلامیہ میں رخنے پڑ سکتے ہوں۔تب کہیں جا کر ہم اپنے مقاصد میں کامیاب اور سُرخرو ہو سکتے ہیں۔

اس لحاظ سے آج ہم پر بہت بڑی اور بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور ہماری ذرا سی چوک بھی نہایت درجہ سنگین نتائج پیدا کر سکتی ہے۔اگر ہم نے موجودہ نازک صورتِ حال کو نہیں سمجھا اور تاریخ کے سبق کو فراموش کر دیا تو پھر ہمارا ملی وجود ہی ختم ہو جائے گا۔شاعرِ اسلام کو یہی پیغام دے گئے ہیں کہ تمام مسلم ملکوں کو ایک جسدِ واحد اور ایک ملت واحدہ کی طرح رہنا اور سب کو متفق ومتحد رہ کر اسلام کے کاز کے لئے جدوجہد کرنا ہے۔ورنہ منتشر اور گلّے سے الگ ہو جانے والی بکریوں کو بھیڑیا جس طرح ایک ایک کر کے چٹ کر جاتا ہے اسی طرح رنگ ونسل اور قومیت کی بنیادوں پر بٹ جانے والے اسلامی ممالک بھی ایک ایک کر کے طاقتور قوموں کا لقمۂ تر بن جائیں گے۔جیسا کہ وہ فرماتے ہیں:

بُتانِ رنگ وخوں کو توڑ کر ملت میں گُم ہو جا ــــ نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی

ایک دوسرے موقع پر انہوں نے وطنیت وقومیت کے اس غلط فلسفے اور غلط رجحانات پر اپنے مخصوص انداز اور طاقتور اُسلوب میں تیشہ اس طرح چلایا ہے۔

ان تازہ خُداؤں میں سب سے بڑا وطن ہے ــــ جو پیرہن اُس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

اقوام میں مخلوقِ خُدا بٹتی ہے اس سے ــــ قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

نیز حکیمِ ملت نے اپنے ایک خطبۂ صدارت میں اس موضوع پر مزید روشنی ڈالتے ہُوئے حُبِ وطن اور مذہب کے رشتہ وفرق کی وضاحت اس طرح کی ہے:

''میں یورپ کے پیش کردہ نیشنلزم کا مخالف ہوں۔اس لئے کہ مجھے اس تحریک میں مادیت اور الحاد کے جراثیم نظر آتے

ہیں۔اور یہ جراثیم میرے نزدیک دورِ حاضر کی انسانیت کے لئے شدید ترین خطرات کا سرچشمہ ہیں......اگر چہ حُبِّ وطن ایک فطری امر ہے اوراس لئے انسان کی اخلاقی زندگی کا ایک جُزو ہے۔لیکن جو شے سب سے زیادہ ضروری ہے وہ انسان کا مذہب، اس کا کلچر اور اس کی ملی روایات ہیں۔یہی وہ چیزیں ہیں جن کے لئے انسانوں کو زندہ رہنا چاہئے۔وہ خطۂ زمین جس میں وہ رہتا ہے اور جس کے ساتھ عارضی طور پر اُس کی رُوح وابستہ ہوتی ہے، اس لائق نہیں کہ اسے خُدا اور مذہب سے برتر قرار دیا جائے "۔

(اقتباس از خطبۂ صدارت مُسلم کانفرنس، منعقدہ لاہور، ۱۹۳۲ء)۔

علامہ اقبال نے جو کچھ فرمایا ہے وہ خدا کے آخری پیغام اور دینِ ابدی ہی کی ترجمانی ہے، جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

" **وان هذه أمتكم امة واحدة وانا ربكم فاتقون** "۔

اور تمہاری یہ اُمت ایک ہی اُمت ہے اور میں تم سب کا ربّ ہُوں۔لہٰذا تم مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔(مومنون : ۵۲).

" **واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا** "۔

اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو اور آپس میں پُھوٹ نہ ڈالو۔(آل عمران : ۱۰۳).

" **وانتم الاعلون ان كنتم مومنين** "۔

تم ہی سربلند رہو گے اگر تم پوری طرح مومن رہے۔(آل عمران : ۱۳۹).

" **ولله العزة ولرسوله وللمومنين** "۔

عزّت وبڑائی صرف اللہ کے لئے، اس کے رسول کے لئے اور اہلِ ایمان کے لئے ہے۔ (منافقون : ۸).

سائنسی میدان میں ترقی کے لئے عالمِ اسلام کا اتحاد ضروری:

حاصل یہ کہ دُنیائے اسلام کے اتحاد کے لئے قومیت ووطنیت کے ان خود ساختہ بُتوں کو توڑنا اور اپنے ہاتھوں سے اُٹھائی ہُوئی ان دیواروں کو ڈھانا ضروری ہے۔ورنہ ہم جسدِ واحد کی طرح بیرونی قوتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور اپنے ملی تشخص کو برقرار رکھ سکتے۔

آج خلافتِ اسلامیہ کے میدان کو سر کرنے کے لئے اہلِ اسلام کو مادی وسیاسی اعتبار سے قوت وشوکت حاصل کرنا اور تمدنی نیز فوجی وعسکری اعتبار سے خود کفیل بننا ضروری ہے۔اور یہ عظیم ترین مقصد آج عالمِ اسلام کے اتحاد کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔کیونکہ اتحادِ ملت کے بغیر عالمِ اسلام کو اس میدان میں کامیابی نہیں ہوسکتی۔

آج سائنس اور ٹکنالوجی کا دور ہے۔اور واقعہ یہ ہے کہ آج نہ صرف ہر قسم کے فوجی ساز وسامان کی تیاری سائنس اور ٹکنالوجی کی رہینِ منت ہے بلکہ خود ہمارے تمام تمدّنی لوازم بھی سائنس اور ٹکنالوجی کی کارفرمائیوں کا نتیجہ دکھائی دیتے ہیں۔اور اس میدان میں جو قوم یا ملت پیچھے رہ جائے وہ نہ تو ترقی یافتہ قوموں سے آنکھ ملا سکتی ہے اور نہ دُنیا کے اسٹیج پر ایک آزاد قوم وملت کی

حیثیت سے زندہ رہ سکتی ہے۔ جیسا کہ ہم آئے دن اپنی آنکھوں سے مختلف تماشے دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح چھوٹی اور کمزور قومیں مادی اعتبار سے طاقتور قوموں کی ہوسناکیوں کا شکار بن کر ان کی بھینٹ چڑھ جاتی ہیں۔ خود عربوں کے قلب میں اسرائیل (جو عددی اعتبار سے ایک چھوٹا مگر طاقتور ملک ہے) ایک خنجر کی طرح چالیس سال سے پیوست کیوں ہے اور وہ عربوں کے مزید علاقے ہڑپ کر کے دن بدن اپنی ریاست کو وسیع تر کیسے کرتا چلا جا رہا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ سب محض سائنس اور ٹکنالوجی کے بل بوتے اور اُس کی فسوں کاری کی بدولت ہے۔ خود افغانستان کی مثال بھی ہمارے سامنے ہے کہ روس کی ذلت ناک پسپائی کے لئے ایمان باللہ کی طاقت اور مجاہدین کے سرفروشانہ جذبے کے بعد امریکہ کے عصری ہتھیاروں پر بھی انحصار کرنا پڑا۔ اگر امریکہ مجاہدین کی مدد اپنے جدید ترین ہتھیاروں سے نہ کرتا تو روس کو افغانستان سے نکلنے پر آمادہ کرنا بظاہر ناممکن تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ لوہے کو لوہا ہی کاٹ سکتا ہے۔ لکڑی یا کوئی دوسری چیز نہیں۔ ظاہر ہے کہ عصری ٹینکوں، ہوائی جہازوں اور میزائیلوں کا مقابلہ تیروں اور تلواروں سے نہیں کیا جا سکتا۔ ایمانی قوت کے ساتھ ساتھ مادی قوت بھی ضروری ہے۔

غرض آج دنیا کی قومیں سائنس اور ٹکنالوجی میں برتری حاصل کر کے ہم پر غالب آ رہی ہیں۔ اور ہم خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور محض باتوں کے ذریعہ توپوں کا رُخ موڑ دینا چاہتے ہیں۔

لہٰذا اب ہم کو پوری طرح ہوش میں آ جانا چاہئے اور پوری سنجیدگی اور فکر مندی کے ساتھ مستقبل کے خاکے اور منصوبے بنانا چاہئے۔ ہمارے پاس کیا نہیں ہے؟ افراد، مال و دولت اور بعض ممالک کے پاس فنی جانکاری وغیرہ سب کچھ موجود ہے۔ اگر ہم چاہیں تو بہت جلد اس میدان میں ترقی کر کے آگے بڑھ سکتے ہیں۔ مگر اس کے لئے اتحادِ ملت بہت ضروری ہے۔ دُنیائے اسلام کی افرادی قوت اس وقت قریب قریب ایک ارب ہے۔ پاکستان، مصر اور ترکی فنی اور ٹکنیکل جانکاری کی حیثیت سے دنیائے اسلام میں نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔ اور عربوں کے پاس دولت کی فراوانی ہے۔ اس کے علاوہ بعض مسلم ممالک خام پیداوار میں کافی نمایاں ہیں۔ اور بعض زرعی پیداوار میں ممتاز ہیں۔ لہٰذا اگر دُنیائے اسلام کی صحیح تال میل پیدا ہو جائے اور وہ صحیح خطوط پر آپس میں متحد ہو جائیں تو وہ صنعتی اعتبار سے بہت جلد خود کفیل بن کر بڑی طاقتوں کے جال سے باہر نکل سکتے ہیں۔ یہ بات خوب اچھی طرح یاد رکھنی چاہئے کہ تمدنی اور فوجی ساز و سامان کے میدان میں کسی قوم یا ملک کا محتاج اور دوسروں کا دست نگر بنے رہنا اُس کی سیاسی غلامی سے بھی زیادہ بدتر ہے۔ کیونکہ اس صورت میں اپنی ضروریات کی فراہمی کے لئے بڑی طاقتوں کا دست نگر بن کر اُن کی من مانی شرائط کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ گویا کہ ہماری آزادی ہمیشہ رہن رہتی ہے اور ہم کاسۂ گدائی لے کر اس کے آگے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور رہتے ہیں۔ ایک آزاد اور خود دار ملت کے لئے اس سے زیادہ ننگ و عار کی بات اور کیا ہو سکتی ہے!

اس لحاظ سے سائنس و صنعت کے میدان میں ہمارا خود کفیل بننا گویا کہ ہماری زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ اس ضروری اور بنیادی چیز سے غفلت برت کر ہم ایک آزاد قوم اور آزاد و منفرد ملت کی حیثیت سے دُنیا کے اسٹیج پر زیادہ دیر ٹھہر نہیں سکتے۔ لہٰذا اس

میدان میں آگے بڑھنا ہمارے لئے ہر حال میں ضروری ہے۔ اور یہ عظیم مقصد آج اتحادِ ملت کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ جب تک فنی معلومات، پیسہ اور افراد نہ ہوں اس میدان میں کامیابی ناممکن ہے۔ اور یہ تین چیزیں آج دُنیائے اسلام میں سے کسی ایک ملک کے پاس موجود نہیں ہیں۔ لہٰذا ان تینوں عناصر کو اکٹھا کرنے کے لئے اشتراکِ عمل اور تعاونِ باہمی کی بنیاد پر اتحادِ ملت ازبس ضروری ہے۔ اور اس اقدام میں ایک سو کروڑ مسلمانوں کے معاشی فوائد بھی چھپے ہوئے ہیں۔ بالفاظِ دیگر اس اقدام کے نتیجے میں ضمناً دُنیائے اسلام سے افلاس اور جہالت کا بھی خاتمہ ہوسکتا ہے جو انسان کے بنیادی دشمن ہیں۔ اور یہ کوئی معمولی مقصد نہیں ہے بلکہ بجائے خود ایک عظیم مقصد ہے۔

نیز اس اقدام کے ذریعہ " انما المو منون اخوة " (اہلِ ایمان تو بھائی بھائی ہیں) کے مطابق بین الاقوامی اعتبار سے مختلف مسلم قوموں اور مختلف افرادِ ملت کے درمیان حقیقی بھائی چارے کی بنیادیں بھی اُستوار ہوسکتی ہیں۔ اور وہ ایک دوسرے کے دُکھ درد کو سمجھنے اور وقت پڑنے پر ایک دوسرے کا ساتھ دینے پر آمادہ بھی ہوسکتے ہیں۔ اس طرح پوری دُنیائے اسلام ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح بن سکتی ہے۔ پھر اس کے بعد انشاء اللہ کسی کی مجال نہ ہوگی کہ وہ اس پر نظرِ بد ڈال سکے۔

غرض اتحادِ ملت میں فائدے ہیں اور افتراق و انتشار میں نقصانات ہی نقصانات اور راقمِ سطور کے خیال سے یہ عالمِ اسلام کو متحد کرنے کے لئے ایک ٹھوس اور مثبت پروگرام ہوگا جو ایک کنفیڈریشن یا مشترکہ یونین سے زیادہ مؤثر ہوسکتا ہے۔ اور ان خطوط پر کام کر کے بہت جلد اس کو ایک عالمی پوزیشن میں لاکر کھڑا کیا جاسکتا ہے، بلکہ اس کو ایک تیسری طاقت کی حیثیت سے متعارف کرایا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ ہم پورے خلوص اور پورے عزم و یقین کے ساتھ اس میدان میں جٹ جائیں اور کامیابی ہونے تک جُہدِ مسلسل کے ساتھ اپنے آپ کو اس راہ میں وقف کردیں۔ کیونکہ قوموں کے ذہنوں کو بدلنا اور انہیں تعمیر و ترقی کی راہ پر لگانا بہت مشکل اور صبر آزما کام ہے مگر ناممکن نہیں ہے۔ جاپانی قوم کی مثال ہمارے سامنے ہے جس نے دوسری جنگِ عظیم میں اپنا سب کچھ لٹادینے کے باوجود ہمت نہیں ہاری، بلکہ ایک نئے عزم و حوصلے کے ساتھ کام کرتی رہی۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ صرف ایک چوتھائی صدی میں اُس نے جُہدِ مسلسل اور انتھک محنت کے ذریعہ وہ کارنامہ انجام دیا کہ اچھے اچھے ترقی یافتہ ممالک بھی اُس کی گردِ راہ کو نہ پاسکے۔

غرض آج اللہ تعالیٰ نے عالمِ اسلام کو متحد ہونے کا ایک سنہری اور نادر موقع عطا کردیا ہے۔ لہٰذا اگر ہم نے اپنی ذمہ داریوں کو محسوس نہ کرتے ہوئے اس موقع کو کھودیا تو پھر ایسا سنہری اور نادر موقع ہمیں دوبارہ کبھی ہاتھ نہیں آسکے گا اور ہم کفِ افسوس ملتے رہ جائیں گے۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ آج عالمِ اسلام اپنے تمام اختلافات کو پسِ پشت ڈال کر ایک مثبت پروگرام کے تحت اس راہ میں آگے بڑھے اور ملتِ اسلامیہ کی تعمیرِ نو اور تشکیل کے منصوبے بنائے۔ ہمارے تمام کاموں کی منصوبہ بندی کی جائے۔ اور بغیر منصوبہ بندی کے کوئی کام الل ٹپ نہ کیا جائے۔ پھر انشاء اللہ کامیابی ہمارے قدم چومے گی۔ ورنہ افتراق و انتشار سے ہمیں کبھی نجات نہیں مل سکتی۔ اور ہمیں بحیثیت ملت حسبِ ذیل ارشاداتِ الٰہی پر کان دھرنا چاہئے:

" وان تتولوا یستبدل قوماً غیر کم ثم لایکونوا امثالکم "

اگر تم نے رُوگردانی کی تو اللہ تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو لے آئے گا۔ پھر وہ تم جیسے (ناخلف) نہ ہوں گے۔ (محمد : ۳۸).

" ثم جعلنکم خلئف من بعدھم لننظر کیف تعملون "

پھر ہم نے تم کو اُن کے بعد زمین میں خلیفہ بنایا ہے تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کس طرح کام کرتے ہو ! (یونس : ۱۴).

اور علامہ اقبالؒ نے شاہراہ زندگی میں کامیابی و کامرانی کے لئے تین چیزوں کو ضروری قرار دیا ہے جو اس راہ میں ایک دستور حیات کی حیثیت رکھتے ہیں۔

یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم — جہادِ زندگانی میں یہ ہیں مَردوں کی شمشیریں

مُسلم ممالک کی مشترکہ تجارتی منڈی اور بعض بنیادی اقدامات:

خلاصہ بحث یہ کہ آج اُمتِ مُسلمہ کی نشاۃ ثانیہ کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان اپنے دین وایمان پر پوری طرح کاربند اور ثابت قدم رہتے ہوئے خلافتِ ارض کے میدان کو سر کریں اور روحانیت کے ساتھ ساتھ مادّی اعتبار سے بھی ترقی کریں۔ کیونکہ روحانیت اور مادیت کے توازن ہی کے باعث آج اُمتِ مُسلمہ سربلندی اور سرخروئی کی منزل سے آشنا ہوسکتی ہے۔ ورنہ مادّی قوت و شوکت حاصل کئے بغیر روحانیت کا غلبہ وتفوّق بھی باقی نہیں رہتا۔ لہٰذا ان دونوں اُمور میں افراط وتفریط سے بچتے ہُوئے درمیانی راہ اختیار کرنی چاہئے۔ اسی میں ہمارے دین ودُنیا کی کامیابی مُضمر ہے۔

بہر حال ضرورت ہے کہ مُسلم ممالک مادّی میدان اور اتحادِ ملّت دونوں مقاصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے حسب ذیل اُمور پر فوری توجہ مبذول کریں:

۱۔ مُسلم ممالک میں سائنسی وصنعتی INDUSTRIAL تعلیم کو عام کرنے کی غرض سے سائنسی تحقیقات کے ادارے اور فنی TECHNICAL تعلیم کے مراکز زیادہ سے زیادہ قائم کر کے سائنسی علوم وفنون کو عوام میں مقبولِ عام بنانے کی کوشش کی جائے اور سائنسی معلومات کو عام کرنے کی غرض سے آسان سے آسان لٹریچر قومی اور مادری زبانوں میں بکثرت شائع کیا جائے یہ عمل دیگر سارے اقدامات کے لئے اساسی نوعیت کا حامل ہے۔

۲۔ مُسلم ممالک میں مختلف مصنوعات اور جنگی سازوسامان تیار کرنے کے لئے فوری طور پر ضروری اور اہم صنعتیں قائم کی جائیں۔ پھر رفتہ رفتہ تمام آلات واوزار حتی المقدور خود ہی تیار کرنے کی کوشش کی جائے۔

۳۔ مُسلم ممالک کی ایک مشترکہ تجارتی منڈی (کامن مارکٹ) ہونا چاہئے، جس کے ذریعہ ایک دوسرے کی ضروریات کا آپس ہی میں تبادلہ بخوبی ہوسکے۔

۴۔ صنعت وحرفت کی ترقی کے لئے اپنے خام مال اور خام اشیاء کا تبادلہ جہاں تک ممکن ہو آپس ہی میں کرلینا چاہئے۔

بلکہ زیادہ بہتر ہوگا کہ جہاں پر خام مال موجود ہو اسی ملک میں اس کی صنعتیں بھی قائم کی جائیں، تاکہ اس کی نقل وحرکت کے اخراجات سے بچا جاسکے۔

۵۔ جو مُسلم ممالک فنی اور تکنیکل حیثیت سے جانکاری رکھتے ہیں وہ آگے بڑھ کر خام مال تیار کرنے والوں کی مدد کریں اور جو مالدار ممالک ہیں وہ ان صنعتوں کی ترقی میں سرمایہ لگائیں اس طرح سہ گونہ فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ اور اس اقدام میں ایک سو کروڑ مسلمانوں کے معاشی فوائد بھی چھپے ہُوئے ہیں۔

ان اقدامات کے ذریعہ حاصل ہونے والے بعض اہم ترین فوائد یہ ہیں:

۱۔ مُسلم ممالک میں سائنسی اور صنعتی تعلیم کو فروغ حاصل ہوگا۔ جس کے نتیجے میں ایک عام بیداری پیدا ہوگی اور علمی تحقیقات واکتشافات کا ملکہ پیدا ہونے لگے گا جو رفتہ رفتہ انہیں ترقی یافتہ ممالک کی صف میں لا کھڑا کرے گا۔

۲۔ مُسلم ممالک اپنی ضروریات میں خود کفیل ہو جائیں گے اور ترقی یافتہ قوموں پر انحصار کم سے کم تر ہو جائے گا۔

۳۔ مُسلم ممالک میں خودشعوری اور خوداعتمادی کا جذبہ پیدا ہوگا جو اپنی قومی وملّی بقاء اور تحفظ کے لئے بہت ضروری ہے۔

۴۔ مُسلم ممالک سے جہالت اور بے روزگاری دُور ہو جائے گی اور کارِ خلافت میں ہر ملک اپنی حیثیت کے مطابق برابر کا شریک وسہیم ہو سکے گا۔

۵۔ مُسلم ممالک میں حقیقی اتحاد کی بنیاد پڑ جائے گی اور وہ ایک دوسرے کو اپنا بھائی اور مددگار سمجھنے لگیں گے اور ضرورت کے وقت ایک دوسرے کے کام آئیں گے، جوکہ " انما المؤمنون اخوة " (اہلِ ایمان تو بھائی بھائی ہیں) کا فطری اور ایمانی مظاہرہ ہوگا۔ کیونکہ دینی وایمانی رشتہ دیگر تمام رشتوں سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ اور ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوگا کہ مُسلم معاشروں میں صحیح معنی میں ''سائنسی مزاج'' پیدا ہوگا جو خالص توحیدی نظریات کو فروغ دینے میں معاون ومددگار ہونے کے ساتھ ساتھ مختلف مُسلم معاشروں میں موجود بعض توہمات اور تاریک خیالی کو دُور کرنے اور بعض بگڑے ہوئے عقائد کو درست کرنے میں بھی مددگار بن سکے گا۔ کیونکہ سائنسی مزاج ہر قسم کے اوہام وخرافات کا دشمن ہے۔ اسی بنا پر قرآن مجید میں ہر قسم کی اعتقادی گمراہیوں اور خاص کر شرک کی تردید کے لئے مظاہرِ فطرت اور اُن کے نظاموں سے استدلال کیا گیا ہے:

" وفی الارض ایت للموقنین وفی انفسکم افلا تبصرون "

یقین کرنے والوں کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں اور خود تمہاری اپنی ہستیوں میں بھی، کیا تم کو دکھائی نہیں دیتا؟ (ذاریات: ۲۰۔۲۱)۔

اس اعتبار سے سائنس وصنعت کے میدان میں اہلِ اسلام کی دوبارہ پیش رفت کے باعث دوہرے فوائد حاصل ہو سکتے

ہیں۔ بہرحال جتنی جلد ہوسکے ہم کو ان بنیادی اقدامات کے ذریعہ بڑی طاقتوں کے چنگل سے آزاد ہوکر خود اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہئے ورنہ دینِ الٰہی کے غلبے اور اُس کی سربلندی کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ ظاہر ہے کہ اپنی بنیادی ضرورتوں میں دوسروں کی محتاج بنے رہنے اور کاسۂ گدائی دراز کرنے والی قوم وملت دنیا میں کبھی غلبہ واقتدار کا خواب نہیں دیکھ سکتی۔ مُسلم ممالک کو اللہ نے اس قدر قُدرتی وسائل سے مالا مال کیا ہے اور اتنی بہترین جغرافیائی پوزیشن عطا کی ہے کہ وہ اس راہ میں بہت کچھ بلکہ جو چاہے وہ کرسکتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ ایک مرکزی آئیڈیالوجی کے تحت باہم متفق ومتحد ہوجائیں۔ اب یہ مرکزی آئیڈیالوجی اور اتحادِ باہمی کا بنیادی اور مرکزی ستون سوائے دینِ الٰہی یا وحدتِ کلمہ کے اور کیا ہوسکتا ہے؟

اسی میں دنیائے اسلام کی تمام دینی ودنیوی بھلائیاں پوشیدہ ہیں۔ اور اسی وحدتِ کلمہ کے باعث وہ متحد وسرخرو ہوسکتے ہیں۔

"۔ وان هذه أُمتكم امة واحدة وانا ربكم فاتقون "

تمہاری یہ اُمت ایک ہی اُمت ہے اور میں تم سب کا رب ہُوں۔ لہٰذا تم مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔ (مؤمنون : ۵۲).

" ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم واصبروا "

اور تم آپس میں جھگڑو مت، ورنہ تم پست ہمت ہوجاؤ گے اور تمہاری ہَوا اُکھڑ جائے گی۔ (لہٰذا ہر حال میں) ثابت قدم رہو۔ (انفال : ۴۶) . .

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دُنیا کی امامت کا

(اقبال)

ورق تمام ہُوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہئے اس بحرِ بے کراں کے لئے

آپ اپنے مضامین بذریعہ ای میل بھی بھیج سکتے ہیں:

almubahisulislamia@yahoo.com

muftisadee@yahoo.com

......☆☆☆☆☆......